بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کے سلسلہ میں یوسف لدھیانوی صاحب کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات

مؤلف:

محمد اشتیاق

امیر جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

کتابت . . . . عبدالمجید
سالِ طباعت . . . . ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء
اشاعت . . . . اوّل
تعداد . . . . دوہزار
قیمت . . . .

جماعت المسلمین
مسجد المسلمین، کھوکھراپار ۲ 1/2، کراچی۔
فون ۴۰۷۵۲۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کے سلسلہ میں چند اعتراضات اور ان کے جوابات

اعتراض | یوسف لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں :-
بارہ تکبیرات کی احادیث متعدّد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں لیکن محدّثین کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

(اختلاف امت اور صراطِ مستقیم ص۱۷ جز۲)

جواب | متعدد ائمہ نے بارہ تکبیرات والی احادیث کو صحیح، یا حسن کہا ہے۔ جیسے امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ

امام بیہقیؒ، امام دارقطنیؒ، امام احمدؒ، علامہ ساعاتی، ابن عبدالبر اور امام عراقی۔

احادیث ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فی عید ثنتی عشرۃ تکبیرۃ سبعًا فی الاول وخمسًا فی الاخرۃ۔۔۔۔۔۔۔	بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید (کی نماز میں) بارہ تکبیرات کہتے۔ سات تکبیرات پہلی رکعت میں اور پانچ تکبیرات دوسری رکعت میں۔

(رواہ ابوداؤد والدارقطنی، الفتح الربانی ۶/۱۴۱)

قال البیہقی حدیث عبد اللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی صحیح (رواہ،	امام بیہقی نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

البیہقی، الفتح الربانی ۱۴۱/۶)

علامہ ساعاتی کہتے ہیں: امام بیہقی نے اس حدیث کو اس لئے صحیح کہا ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی نے یہ حدیث خود عمرو بن شعیب سے سُنی ہے۔ (فتح ربانی جزء ۶ ص۱۴۱)
مزید برآں عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی سے امام مُسلم نے صحیح مُسلم میں حجّت لی ہے۔ جب امام بخاری یا امام مُسلم یا دونوں کسی راوی سے حجّت لیں تو اس راوی پر سے جرح ختم ہو جاتی ہے۔ (نخبتہ الفکر) یہی وجہ ہے کہ امام بیہقیؒ نے امام مُسلم کی موافقت کرتے ہوئے حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اب کسی اور صفائی کی ضرورت تو باقی نہیں رہی مگر ہم پھر بھی وضاحت کرتے ہیں تاکہ عوام دھوکہ نہ کھائیں۔

(۱) امام علی بن مدینیؒ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کو ثقہ کہتے ہیں۔

(٢) امام عجلی ثقہ کہتے ہیں۔

(٣) ابن حبان ثقہ کہتے ہیں۔

(٤) امام دارقطنی معتبر کہتے ہیں۔

(٥) وقال ابن عدی یروی عن عمرو بن شعیب احادیثہ مستقیمۃ وھو یکتب حدیثہ (تہذیب التہذیب ٥/٢٩٩)

ابن عدی کہتے ہیں: عبداللہ بن عبدالرحمن الطائفی نے جو احادیث عمرو بن شعیب سے روایت کی ہیں وہ سب ٹھیک ہیں کیونکہ وہ ان کی احادیث لکھا کرتے تھے۔

امام یحییٰ بن معین کبھی صالح کہتے ہیں اور کبھی ضعیف کہتے ہیں اور کبھی صویلح، کبھی کہتے ہیں: لَیْسَ بِہٖ بَأسٌ (تہذیب) یعنی یہ راوی اچھا ہے اس سے حجت لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اگر کسی نے لین الحدیث یا لَیْسَ بالقوی

کہا ہے تو عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے امام مسلم کے روایت کرنے سے یہ جرح کالعدم ہو جاتی ہے۔ مزید اس حدیث کی توثیق ملاحظہ فرمائیے :-

ورواہ احمد وابوداود	(مندرجہ بالا) حدیث کو امام
وابن ماجہ والدارقطنی	احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور
من حدیث عمرو بن	دارقطنی نے عمرو بن شعیب
شعیب عن ابیہ عن	عن ابیہ عن جدہ سے روایت
جدہ وصححہ احمد	کیاہے اور (اس حدیث کو)
وعلی والبخاری فیما	امام احمد، علی بن مدینی اور
حکاہ الترمذی	امام بخاری نے صحیح کہا ہے۔
(تلخیص ابن حجر	جس کو امام ترمذی نے
جزء ۲ ص۸۴)	بیان کیا ہے۔
ونقل الترمذی فی	امام ترمذی نے علل مفردہ

العلل المفردة عن	میں امام بخاری سے نقل
البخاری انه قال انه	کیا ہے کہ امام بخاریؒ
حدیث صحیح (نیل	کہتے ہیں۔ یہ حدیث
الاوطار جزء ۴ ص۲۵۴)	صحیح ہے۔
قال العراقی اسناده	علامہ عراقی کہتے ہیں: (اس
صالح (نیل الاوطار	حدیث) کی سند عمدہ ہے۔
جزء ۴ ص۲۵۴)	

لہٰذا حدیث بالکل صحیح ہے۔ اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اب یوسف لدھیانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ائمہؒ کہتے ہیں کہ اس باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے" کس حد تک صحیح ہے۔ یوسف صاحب نے ائمہؒ کی طرف ایک غلط بات کو منسوب کیا ہے، ہم اس کو یوسف لدھیانوی صاحب کی غلط بیانی کہیں یا غلط فہمی۔

اعتراض | یوسف صاحب فرماتے ہیں :-

"امام ترمذی نے اس حدیث کی جو تحسین کی ہے، محدثین اس سے بھی متفق نہیں شاید اس سے بہتر عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی روایت ہے، (عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ) جسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے (ص ۱۶۳ ج ۱) اگرچہ اس میں بھی متعدد وجوہ سے کلام ہے (اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ص ۱۷۱)

جواب | امام ترمذیؒ نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف کی حدیث نقل کر کے کہا تھا کہ اس باب میں اس سے اچھی حدیث نہیں ہے اور کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے تو امام ترمذیؒ کے بیان سے یہ تأثر ملتا ہے کہ اس باب میں دوسری احادیث اس سے بھی زیادہ ضعیف ہونگی۔ لیکن ایسا نہیں ہے امام ترمذی نے خود عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی حدیث کو صحیح

مانا ہے اور اپنے اس جملہ کی خود نفی کر دی ہے کہ " اس باب میں اس سے بہتر حدیث نہیں ہے" قارئینِ کرام جیسا کہ آپ حضرات سابقہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی حدیث کو بڑے بڑے ائمہؒ نے صحیح مانا ہے حتٰی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے ۔ اب یوسف صاحب کا یہ کہنا کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی کی حدیث میں بھی " متعدد وجوہ سے کلام ہے" قارئین دھوکا اور فریب ہے ۔

نمازِ عیدین میں بارہ تکبیرات ہیں مزید احادیث ملاحظہ فرمایئے ۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔

قال رسول اللّٰہ صلی   رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰہ علیہ وسلم التکبیر   نے فرمایا، عیدین میں سات

فی العیدین سبعًا قبل	تکبیرات قرأت سے پہلے ہیں اور
القرأۃ وخمسًا بعد	پانچ قرأت کے بعد یعنی پہلی
القرأۃ (الفتح الربانی	قرأت کے بعد۔
جزء ۴ ص ۱۴۱)	

اس روایت میں "عبداللہ بن لھیعہ" صدوق ہیں۔ (تقریب) ضعیف نہیں ہیں۔ ان کے حافظہ میں ان کی کتابیں جلنے کی وجہ سے بھول واقع ہوگئی تھی، باقی اور کوئی خرابی نہیں ہے۔ عبداللہ بن لہیعہ کی موافقت نافع مولی عبداللہ بن عمرؓ کررہے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

شھدت الاضحیٰ	میں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر
والفطر مع ابی ھریرۃ	میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے
فکبّر فی الرکعۃ الاولی	ساتھ حاضر ہوا۔ پہلی رکعت میں
سبع تکبیرات قبل	قرأت سے قبل انہوں نے

القرأة وفی الاخرة	سات تکبیرات مسلسل کہیں اور
خمس تکبیرات قبل	دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات
القرأة (موطا امام	قرأت سے پہلے مسلسل
مالک ۱/ ۱۸۰)	کہیں۔

لہٰذا عبداللہ بن لهيعه کا بھول کا خدشہ ختم ہوگیا اور حدیث صحیح لغیرہ کے درجہ کو پہنچ گئی۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔

ان رسول اللہ صلی	بے شک رسول اللہ صلی اللہ
اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم سات تکبیرات پہلی
کان یکبر فی العیدین	رکعت میں اور پانچ تکبیرات
سبعًا فی الرکعة الاولی	دوسری رکعت میں رکوع کی

وخمسًا فی الآخرۃ سوی تکبیر فی الرکوع (الفتح الربانی جزء ۴ ص ۱۴۱ صحیح ابو داؤد ۱/۲۱۳ للالبانی)

تکبیر کے علاوہ عیدین میں کہا کرتے تھے۔

اس روایت میں بھی عبداللہ بن لھیعہ ہیں۔ ثقہ ہیں۔

(تہذیب) امام مسلم نے بھی ان سے بعض روایات میں اپنی صحیح میں مقروناً حجت لی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی صحیح لغیرہ ہے۔

(۴) ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یکبر

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات تکبیرات پہلی رکعت میں قرأت

فی العیدین فی الاولی سبعًا قبل القرأۃ و فی الاخرۃ خمسًا قبل القرأۃ (رواہ ابن ماجہ۔)	سے پہلے اور پانچ تکبیرات قرأت سے پہلے دوسری رکعت میں کہا کرتے تھے۔

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعد مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ابن معین نے ضعیف اور ابن حبّان نے ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب) لہٰذا یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:۔

ان رسول اللہ صلی	بے شک رسول اللہ صلی اللہ

اللہ علیہ وسلم کان	علیہ وسلم عیدین میں
یکبّر فی العید سبع	سات تکبیرات پہلی رکعت
تکبیرات فی الاولیٰ	میں اور پانچ تکبیریں
وخمسًا فی الثانیۃ	دوسری رکعت میں کہا
(المطالب العالیۃ	کرتے تھے۔

۱/ ۱۸۸)

اس حدیث میں عبداللہ بن عامر الاسلمی ہے۔

امام البوصیری کہتے ہیں له شاهد من حديث سعد القرظ (المطالب العالیۃ)

یعنی البوصیری کہتے ہیں سعد قرظ والی حدیث اس کے لئے شاہد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شواہد کی بنیاد پر یہ حدیث حسن ہے۔

(۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخرج لہ العنزۃ فی العیدین حتی یصلی الیہا وکان یکبر ثلاث عشرۃ تکبیرۃ وکان ابوبکر وعمر رحمۃ اللہ علیہما یفعلان ذلک (رواہ البزار و فیہ الحسن بن حماد البجلی ولم یضعفہ احد ولم یوثقہ وقد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین میں نیزہ وغیرہ نکلتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ اس کی طرف ہو کر نماز پڑھتے اور نماز میں تیرہ ۱۳ تکبیرات کہا کرتے تھے، ابوبکر اور عمر رحمۃ اللہ علیہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ یعنی بشمول تکبیر تحریمہ۔

ذکرہ المزی للتمییز

(بقیۃ رجالہ ثقات)

مجمع الزوائد ۲/۲۰۴)

یہ حدیث بھی حسن لغیرہ ہے۔

ایک حدیث اور ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں:۔

قال نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التکبیر فی الفطر سبع فی الاولیٰ وخمس فی الاُخرۃ والقرأۃ بعدھما کلیتھا (صحیح ابوداؤد وحدیث حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عید الفطر میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں ہوتی ہیں اور پانچ تکبیریں دوسری رکعت میں ہوتی ہیں پہلی اور دوسری کے بعد قرأت ہوتی ہے۔

(٨) حضرت عبداللہ بن فروخ کہتے ہیں:-

صليت خلف عثمان	میں نے حضرت عثمان بن
بن عفان رضی الله	عفان رضی اللہ عنہ کے
عنه العيد فكبر سبعًا	پیچھے عید کی نماز پڑھی۔
وخمسًا (رواه احمد	انہوں نے عید کی نماز
الفتح الربانی جزء ٦	سات اور پانچ تکبیروں
ص١٤٣ وسند جيد)	سے پڑھائی۔

(٩) نافع کہتے ہیں:-

قال عبدالله بن	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ
عمر التكبير فی	عنہما کہتے ہیں: (عیدین
العيدين سبع وخمس	میں پہلی رکعت میں سات
(رواه ابن ابی شیبة	اور دوسری رکعت میں
وسنده حسن ٢/٨١)	پانچ تکبیریں ہیں۔

(١٠) حضرت عبدالرحمٰن بن رافع کہتے ہیں :-

ان عمر بن الخطاب كان يكبر في العيدين ثنتا عشرة سبعًا في الاولىٰ وخمسًا في الاخرة (رواه ابن ابي شيبة ٢/٨٠ وسنده حسن لغيره)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عیدین میں بارہ تکبیرات کہتے تھے۔ سات تکبیریں پہلی (رکعت) میں اور پانچ تکبیریں دوسری (رکعت) میں۔

(١١) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

التكبير في العيدين سبع وخمس، سبع في الاولىٰ قبل القرأة و خمس الآخرة قبل

عیدین میں سات اور پانچ تکبیرات ہیں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے (مسلسل) سات تکبیریں ہیں اور دوسری

القرأة (رواہ ابن ابی شیبة ۲/۸۱ وسندہ حسن لغیرہ)

رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات ہیں۔

(۱۲) حضرت ثابتؒ بن قیس کہتے ہیں:-

صلیت خلف عمر بن عبدالعزیز الفطر فکبر فی الاولیٰ سبعًا قبل القرأة وفی الثانیة خمسًا قبل القرأة۔ (حوالہ مذکور)

میں نے عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے عیدالفطر کی نماز پڑھی انہوں نے قرأت سے پہلے سات تکبیریں پہلی رکعت میں کہیں اور پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے دوسری رکعت میں کہیں۔

(۱۳) حضرت عمارؒ بن ابو عمار کہتے ہیں:-

ان ابنِ عبّاس کبر فی

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ

عید ثنتی عشرة تکبیرة	عنہ نے عیدین میں بارہ تکبیریں
سبعًا فی الاولیٰ وخمسًا	کہیں۔ سات پہلی رکعت
فی الاخرة (حوالہ	میں اور پانچ دوسری
مذکور وسندہ صحیح	رکعت میں ۔
ونصف الرایۃ ۲/۲۱۵	
وقال ھذا اسناد صحیح)	

(۱۴) عبدالعزیز بن عمرؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں :۔

انہ کان یکبر فی العید	عمر بن عبدالعزیز عید میں
سبعًا فی الاولیٰ وخمسًا	پہلی رکعت میں سات اور
فی الاخرة (حوالہ مذکور	دوسری رکعت میں پانچ
وسندہ صحیح)	تکبیریں کہا کرتے تھے ۔

(۱۵) نافع کہتے ہیں :۔

شہدت العید مع ابی ہریرۃ یکبر فی الاولٰی سبعًا و فی الاخرۃ خمسًا قبل القرأۃ (مُصنّف عبدالرّزاق ۳/۲۹۲ و ابن ابی شیبۃ وسند صحیح)

میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید میں حاضر ہوا۔ انہوں نے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ قرأت سے پہلے تکبیریں کہیں۔

مندرجہ بالا آثار ان مرفوع صحیح احادیث کی تائید میں ہیں جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں اور یہ بھی ہم نے مختصراً نقل کئے ہیں۔

عیدین کی نماز چار تکبیروں سے پڑھنے کے سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث نہیں

قارئین کرام کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز چار تکبیروں سے پڑھی ہو یا چار تکبیروں سے پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ اس سلسلہ میں ایک دو اثر ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک ہی اثر ہے اور اس اثر کا مدار بھی عبد اللہ رضی بن مسعود پر ہے تو زیادہ قرین قیاس ہوگا۔

اب وہ اثر ملاحظہ فرمائیے :۔

قاسم بن عبد الرحمٰن، ابو عبد الرحمٰن الدمشقی کہتے ہیں:

حدثنی بعض اصحاب   مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قال صلی
بنا النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یوم عید فکبر
اربعًا اربعًا ثم اقبل علینا
بوجھہ حین انصرف
فقال لا تنسوا کتکبیر
الجنازۃ واشار باصبعہ
وقبض ابہامہ (رواہ
الطحاوی فی شرح الآثار ۲/۴
نصب الرایۃ ۲/۲۱۴)

علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے
بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہمیں عید کی
نماز چار تکبیروں سے پڑھائی
پھر جب آپ نے سلام پھیر
دیا تو ہماری طرف متوجہ ہوئے
پھر آپ نے فرمایا جنازے
کی تکبیروں کی طرح (عیدین)
کی تکبیریں ہوتی ہیں۔ بھول
نہ جانا اور آپ نے اپنی انگلیوں
سے اشارہ کیا اور انگوٹھا
بند کرلیا۔

اس روایت کو طحاوی نے حسن کہا ہے۔

یہ روایت کئی طرح محلِّ نظر ہے۔

(۱) ابن حبان کہتے ہیں:۔

کان یروی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعضلات (میزان الاعتدال ۳/۳۷۳)

(قاسم ابو عبدالرحمٰن) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معضل روایات بیان کرتا تھا۔

ابن حبان ہی کہتے ہیں:۔

کان القاسم ابو عبدالرحمٰن یزعم انہ لقی اربعین بدریا کان ممن یروی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعضلات ویأتی عن الثقات بالمقلوبات حتی لیسبق

قاسم ابو عبدالرحمٰن دعوٰی کرتا تھا کہ اس نے چالیس بدری صحابۂ کرام سے ملاقات کی ہے اور وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معضلات بیان کرتا تھا اور ثقات سے مقلوبات

اِلی القلب انّه کان	لاتا تھا حتیٰ کہ وہ قلب تک پہنچ
المتعمد لها (میزان)	گیا تھا اور وہ یہ کام عمداً کرتا تھا

(۲) امام ابوحاتم کہتے ہیں:۔

روایته عن علیٍّ وابن	اس کی روایت علیؓ اور ابنِ
مسعود مرسلاً (تہذیب)	مسعود سے مرسل ہوتی ہے۔

(۳) احمد کہتے ہیں:۔

قال بعض الناس هذه	بعض لوگوں نے کہا ہے جعفر
المناکیر التی یرویها	اور بشر بن نمیر اور مطرح جب
عنه جعفر وبشر بن	اس سے روایت کرتے ہیں وہ
نمیر ومطرح قال	منکر ہوتی ہے۔ احمد کہتے ہیں؛
احمد ولکن یقولون	لیکن لوگوں کا کہنا ہے۔ قاسم
هذه من قبل القاسم	کی حدیث میں جو منکر روایت
فی حدیث القاسم مناکیر	ہوتی ہے اس میں سے جس

مما یرویہا الثقات یقولون من قبل القاسم — کو ثقہ روایت کرتے ہیں وہ قاسم کی طرف سے ہوتی ہیں۔

(تہذیب)

امام احمدؒ کہتے ہیں:۔

ما اری البلاء من القاسم — میں غلط روایت کو قاسم کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ (تہذیب)

(۴) امام ابوزرعہؒ الدمشقی کہتے ہیں: میں نے امام احمدؒ بن حنبل سے ایک حدیث کا ذکر کیا یعنی: حدثنا محمد بن المبارک عن یحییٰ بن حمزۃ عن عمرو بن رُویم عن القاسم بن عبد الرحمٰن قال قدم علینا سلمان الفارسی دمشق فانکرہ احمد۔

(تہذیب) ہم سے بیان کیا محمد بن مبارک نے، یحییٰ بن حمزہ سے، عروہ بن رویم سے، قاسم بن عبدالرحمٰن سے احمدؒ نے

اس حدیث کا انکار کیا۔

الغرض قاسم بن عبدالرحمٰن معضل روایت بیان کرتا تھا یعنی وسطِ سند سے دو دو راوی حذف کر دیتا تھا اور مقلوب روایت بیان کرتا تھا یعنی حدیث کے متن کو خلط ملط کر دیتا تھا۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: یہ علیؓ اور ابن مسعودؓ سے مرسل روایت بیان کرتا تھا یا اس کی روایت ان سے مرسل ہوتی ہے۔

مزید برآں قاسم کا یہ کہنا "حدثنی بعض اصحاب" سے مراد ابن مسعود، ابو موسیٰ الاشعری اور حذیفہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اور حضرت حذیفہ اس مسئلہ میں حضرت ابنِ مسعود کی تقلید کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چار تکبیروں کو روایت کرنے والے صرف ابنِ مسعودؓ ہیں

مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیے ۔

علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید کہتے ہیں :۔

کان ابن مسعود جالسًا	حضرت ابنِ مسعودؓ بیٹھے ہوئے
وعندہ حذیفہ و ابو	تھے اور ان کے پاس حضرت
موسیٰ الاشعری ۔	حذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ
فسألہما سعید بن	الاشعری بھی بیٹھے ہوئے تھے ۔
العاص عن التکبیر	حضرت سعید بن عاص نے یوم
فی الصلوٰۃ یوم الفطر	الفطر اور یوم اضحیٰ کی نماز
والاضحیٰ فجعل	کی تکبیروں کے بارے میں
ھٰذا یقول سل	ان دونوں سے معلوم کیا ۔ وہ
ھٰذا وھٰذا یقول	کہنے لگے اِن سے معلوم کرو اور
سل ھٰذا فقال	وہ کہنے لگے اِن سے معلوم کرو
لہ حذیفہ سل ھٰذا	اور حضرت حذیفہؓ نے کہا تم

عبداللہ بن مسعود فسالہ فقال ابنِ مسعود یکبر اربعًا ثم یقرأُ ثم یکبر فیرکع ثم یقوم فی الثانیۃ فیقرأُ ثم یکبر اربعًا بعد القراٰۃ (مصنف عبدالرزّاق ۲/۲۹۴)

عبداللہ بن مسعودؓ سے معلوم کرو۔ پھر انھوں نے ان سے معلوم کیا (تو) ابنِ مسعودؓ نے کہا وہ چار تکبیریں کہے گا پھر قرأت شروع کرے گا، پھر وہ تکبیر کہے گا پھر رکوع کرے گا۔ پھر وہ دوسری رکعت میں قیام کرے گا۔ پھر قرأت کرے گا۔ پھر چار تکبیریں قرأت کے بعد کہے گا۔

مندرجہ بالا اثر سے معلوم ہوا کہ چار تکبیروں کا مسئلہ کسی صحیح مرفوع حدیث سے یا سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم سے ثابت نہیں بلکہ ابنِ مسعودؓ کا قول ہے اور صحیح مرفوع حدیث

کے خلاف ۔

مکحولؒ کہتے ہیں :۔

اخبرنی ابو عائشة	مجھے ابو عائشہ ابو ہریرہ کے
جلیس لابی هريرة	ہم صحبت نے خبر دی کہ سعید
ان سعید بن العاص	بن عاصؓ نے ابو موسیٰؓ اور حضرت
سأل ابا موسیٰ وحذیفة	حذیفہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ
کیف کان رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم اضحیٰ اور فطر
صلی اللہ علیہ وسلم	میں کتنی تکبیریں کہتے تھے حضرت
یکبر فی الاضحیٰ والفطر	ابو موسیٰ نے کہا آپؐ چار
فقال ابو موسیٰ کان	تکبیریں کہتے تھے جس طرح
یکبر اربعًا تکبیرة علی	جنائز پر ہوتی ہیں حضرت
الجنائز فقال حذیفة	حذیفہؓ نے کہا کہ ابو موسیٰ نے
صدق فقال ابو موسیٰ	سچ کہا۔ پھر ابو موسیٰ نے

كنت أكبر في البصرة حيث	کہا جب میں بصرہ میں ان پر
كنت عليهم (تلخيص ابن	امیر تھا تو میں چار تکبیریں کہتا
حجر ۲/۸۵)	تھا۔

امام بیہقیؒ کہتے ہیں:

خُولف راويه في موضعين	راوی نے دو جگہوں پر مخالفت
في رفعه وفي جواب ابي	کی ہے، اسکے مرفوع ہونے میں
موسى والمشهور انهم	اور ابو موسیٰ کے جواب دینے میں
اسندوه إلى بن مسعود	اور مشہور یہ ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ
فافتاهم بذلك ولم	کو ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیا
يسنده الى النبي	ہے۔ پھر ابن مسعودؓ نے ان
صلى الله عليه وسلم	لوگوں کو اس سلسلہ میں فتویٰ
(تلخيص ابن حجر ۲/۸۵ و	دیدیا اور (ابن مسعودؓ) نے
رواه البيهقي ۳/۲۸۹)	اس مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف مسند نہیں کیا۔

لہٰذا امام بیہقیؒ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ چار تکبیروں کے سلسلہ میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے یا فتویٰ، جیساکہ مندرجہ بالا الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس روایت کو مرفوعًا تو منکر کہا ہے اور موقوفًا صحیح۔ علّامہ ابن جوزی نے "التحقیق" میں اس روایت کو پہلے دلیل بنایا اور پھر عبدالرحمٰن بن ثوبان کی وجہ سے معلول قرار دیا۔ (نصب الرایۃ ۲/۲۱۵) ابن معین نے بھی ضعیف کہا ہے۔ (نصب الرایہ)

امام احمد کہتے ہیں:

لم یکن بالقویٰ واحادیثہ مناکیر قال ولیس یروی (یہ راوی) قوی نہیں ہے اس کی احادیث منکر ہوتی ہیں،

عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی تکبیر العیدین حدیث صحیح وقال فی التنقیح (نصب الرایۃ ۲/۲۱۵)

امام احمد کہتے ہیں: (چار تکبیروں سے عیدین کی (نماز پڑھنے کے) سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح مروی نہیں ہے۔

یعنی منکر کہنے میں یہ احناف کی گھر کی گواہی ہے۔

امام احمدؒ نے چار تکبیروں والی روایت کو منکر اور بارہ تکبیروں والی روایات کو صحیح کہا ہے۔ امام احمد کی تصحیح سابقہ اوراق میں دیکھئے۔ مزید برآں "ابوعائشہ" کو علّامہ ابن حزم نے مجہول اور امام ابن القطان نے کہا ہے کہ اس کا حال معلوم نہیں۔ (نصب الرایہ)

یہ روایت ابو داؤد میں بھی ہے مگر عبدالرحمٰن بن ثوبان موجود ہے۔ مسند احمد ۴/۴۱۶ پر بھی ہے مگر عبدالرحمٰن بن

ثوبان موجود ہے۔ البیہقی ۳/ ۲۸۹، مگریہی راوی موجود ہے۔
رواہ الطحاوی والطبرانی فی الکبیر و مجمع الزوائد و رجالہ ثقات،
یہ تعریف موقوفاً ہے مرفوعاً نہیں۔ لہٰذا دھوکا نہ کھایئے۔
الغرض حضرت ابوموسیٰ الاشعری کا چار تکبیروں سے
عید کی نماز پڑھنے کے سلسلے میں جواب دینا اور حضرت حذیفہؓ
بن یمان رضی اللہ عنہما کا حضرت ابوموسیٰ کی تصدیق کرنا اس
کا مدار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ہے اور حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ،
حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ عن ابیہ عن جدہ،
حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت
عثمان بن عفان، حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت ابوسعید
خدریؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیز
اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی ہے ۔

ایک آدمی غلطی کر سکتا ہے اتنے لوگ غلطی نہیں کر سکتے اور ویسے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حافظہ میں بھول واقع ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے یہ مسئلہ اور بھی بے حقیقت ہو جاتا ہے بہر حال بارہ تکبیرات سے نمازِ عیدین پڑھنا صحیح ہے اور چار تکبیرات سے نماز عیدین پڑھنا غلط ہے۔ غیر مسنون ہے۔

اعتراض ۲: ''اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی علی ذکرک و شکرک وحسن عبادتک''

جناب یہ دُعا کیسی ہے، کیا قابلِ عمل ہے؟ اگر ہے تو جماعت المسلمین کی کتابوں میں یہ دُعا نہیں ہے کیوں؟۔ حدیث کس طرح ہے۔

جواب: مندرجہ بالا دُعا صحیح ہے۔ اِنشاء اللہ آئندہ دعوات المسلمین میں شامل کر دیں گے۔

حدیث درج ذیل ہے :-

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لہٗ یا معاذ انی واللّٰہ لا حبك فلا تدع دبر کل صلاۃ ان تقول	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل سے کہا، اے معاذ اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں (تو) تم ہر نماز کے خاتمہ پر (اِس دُعا کو) پڑھا کرو۔

(اخرجہ ابوداؤد والنسائی

وصححہ ابن حبان والحاکم

فتح الباری ١١/١٣٣)

اعتراض ٣٧ عیدین کا خطبہ سُننا ضروری نہیں

ابوداؤد کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ ہم خُطبہ

سُنیں یا نہ سُنیں۔ اس حدیث کو البانی صاحب نے صحیح کہا ہے۔ دیکھئے صحیح ابوداؤد۔ مگر مسعود احمد صاحب نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور ضعف ثابت نہیں کیا۔ براۓ کرم حدیث اور ضعف بتائیے۔

جواب حدیث درج ذیل ہے:

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم العيد فلما قضى الصلوٰة قال انا نخطب فمن احبّ ان يذهب فليذهب

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید (کی نماز میں) حاضر ہوا۔ پھر جب آپ نے نماز پوری کرلی۔ آپ نے فرمایا ہم (اب) خطبہ دینگے جو شخص خطبہ سُننا پسند

کرے وہ بیٹھ جائے اور جو شخص

جانا پسند کرے وہ چلا جائے

اس حدیث کو ابوداؤد نے ۱/۳۰ پر، نسائی نے

۳/۱۸۵ پر، ابن ماجہ نے ۱/۱۴۰ پر، بیہقی نے ۳/۳۰۱ پر

الفتح الربانی جزء ۶ ص ۱۵۴ پر، نصب الرایہ نے ۲/۲۲۱ پر

نقل کیا ہے۔

امام ابوداؤد کہتے ہیں :- ھذا مرسل عن عطاء

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد) یعنی عطاء

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کیا ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں:

ھذا خطاء والصّواب مرسل (نصب الرایہ) یعنی

(مرفوع تو) غلط ہے اور مرسل ٹھیک ہے۔ امام بیہقی کہتے

ہیں :- غلط الفضل بن موسیٰ فی اسنادہ وانما

ھو عن عطاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

مُرسل (نصب الرایہ) اس سند میں فضل بن موسیٰ ہے۔
مرفوع تو غلط ہے اور مرسل صحیح ہے۔
امام بیہقیؒ مزید وضاحت کرتے ہیں:۔

قال الشیخ رحمہ اللّٰہ (اخبرنا) بصحۃ
قالہ یحییٰ ابوالقاسم زید بن جعفر بن محمد العلوی
وابوالقاسم عبدالواحد ابن محمد النجار المقری بالکوفۃ
قالا ثنا محمد بن علی بن دحیم ثنا ابراھیم بن اسحٰق
ثنا قبیصۃ عن سفیان عن ابن جریج عن عطاء
قال صلی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالناس العید ثم قال
من شآء ان یذھب فلیذھب ومن شآء ان یقعد
فلیقعد (رواہ البیہقی ۳۱/۲)

لہٰذا یہ روایت مرسل ہے۔ ناقابلِ احتجاج ہے۔
جناب مسعودؒ احمد صاحب نے اس روایت کو مرسل ہونے کی وجہ

سے چھوڑ دیا۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ "اگر کوئی یہ کہے کہ عطاءؒ نے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مرفوع کیا ہے" اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ اور امام بیہقیؒ نے اس روایت کی موجودگی میں ہی تو مرفوع کو غلط اور مرسل کو صحیح کہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی خفیہ علت ہے۔ ہماری ناقص رائے میں وہ خفیہ علت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ صحیحین کے خلاف ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

خرج النبی صلی اللہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے
علیہ وسلم کأنی انظر	گویا کہ میں آپ کی طرف
الیہ حین یجلس بیدہٖ	دیکھ رہا ہوں، جس وقت
فی روایۃ مسلم یجلس	آپ لوگوں کو اپنے ہاتھ سے

الرجال بیدہ (فتح الباری شرح صحیح بخاری ۲/۴۶۷) بٹھا رہے تھے، یعنی نماز کے بعد لوگوں کو خطبہ کے لئے روک رہے ہیں۔

اعتراض ۴: جماعت المسلمین کے لوگ وضوء کرنے کے بعد ایک چلّو پانی لیکر رومالی پر ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔کیا واقعی یہ چیز حدیث میں وارد ہے؟

جواب: جماعت المسلمین جو کام بھی کرتی ہے وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق کرتی ہے۔

جماعت المسلمین کا یہ فعل احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

(۱) عن النبی صلی اللہ حضرت جبریل علیہ السّلام

عليه وسلم ان جبريل	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
اتاه في اوّل ما اوحي	اس وحی میں جو سب سے
اليه، فعلّمه الوضوء	پہلے آپ کی طرف کی گئی آئے۔
والصلوٰة فلما فرغ	آپ کو حضرت جبریل علیہ السّلام
من الوضوء اخذ غرفة	نے وضوء اور نماز کی تعلیم دی۔
من الماءِ فنضح بها	پھر جب آپ وضوء سے فارغ
فرجه (رواه احمد والدارقطني	ہوئے (تو) ایک چلّو پانی لیا،
وابن ماجه وسنده حسن مابعدہ)	پھر اس چلّو کو اپنی رومالی پر چھڑک لیا۔

(۲) ایک اور روایت میں اس طرح الفاظ آئے ہیں:۔

قال رسول الله صلى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
الله عليه وسلم علّمني	نے فرمایا، مجھے جبرائیل علیہ
جبرائيل الوضوء وامرني	السّلام نے وضوء سکھایا اور
ان انضح تحت ثوبي	مجھے حکم دیا کہ میں اپنے کپڑے

لما يخرج من البول بعد الوضوء (رواه ابن ماجه وسنده حسن لغيره ماقبله)

کے نیچے وضوء کرنے کے بعد ایک چلّو پانی چھڑک لوں۔ اس وجہ سے کہ کوئی پیشاب کا قطرہ نہ نکل گیا ہو۔

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

توضأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فنضح فرجه (رواه ابن ماجه وسنده حسن لغیره)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا پھر اپنی ردمالی پر پانی چھڑک لیا۔

(۴) حضرت حکیم بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

انه رای رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم توضأ ثم اخذ کفا من

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ نے پانی کا ایک

ماءٍ فنضح به فرجه — چلّو لیا۔ پھر اس پانی کو رومالی

(رواہ ابن ماجہ وسندہ حسن — پر چھڑک لیا۔

ولہ شواھد)

حضرت حکیم بنؓ سفیان سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں:۔

کان رسول اللہ صلّی — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ علیہ وسلم اذا — جب پیشاب کرتے (تو)

بال یتوضأ وینتضح — وضوء کر لیا کرتے تھے اور

(صحیح ابوداؤد للالبانی — (رومالی پر) پانی چھڑک لیا

۱/۳۴) — کرتے تھے۔

(۵) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
مروی ہے:۔

عن النبی صلی اللہ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

علیہ وسلم ان جبریل — روایت کرتے ہیں کہ حضرت

عليه السلام لمّا نزل على النبى صلى الله عليه وسلم فعلّمه الوضوء فلما فرغ من وضوئه اخذ حفنة من مآءٍ فرش بها نحو الفرج قال فكان النبى صلى الله عليه وسلم يرش بعد وضوئه (رواه احمد والفتح الربانى جزء ۲ ص۵۳ وفيه رشد بن سعد و ثقه احمد بن حنبل و هُشيم بن

جبریل علیہ السلام جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو وضوء سکھایا۔ پھر جب آپ اپنے وضوء سے فارغ ہوئے (تو) ایک چلّو پانی لیا۔ پھر پانی کو رومالی پر چھڑک لیا۔ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کے بعد اسی طرح (رومالی) پر پانی چھڑک لیا کرتے تھے۔

خارجہ وابن شاہین وضعفہ
اخرون وسندہ حسن ولہ
شواھد کثیرۃ، تہذیب التہذیب
(۲۷۸/۲

الغرض وضوء کے بعد ایک چلّو پانی رومالی پر ڈال لینا سنّت ہے۔

اعتراض ۵ جو شخص شرم گاہ کو ہاتھ لگائے اس کو چاہیئے کہ وہ وضوء کرے۔ دوسری جگہ کہا وہ تمہارے جسم کا ایک حصّہ ہے۔ جماعت المسلمین والوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ بغیر قیاس کئے؟۔

جواب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر یا شرم گاہ چھونے کے بارے میں سوال کیا گیا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

هل هو الا بضعة منك (رواه احمد و اصحاب السنن والدار قطني و صححه عمرو بن علی الفلاس۔ و صححه ایضاً ابن حبان والطبرانی و ابن حزم تلخیص ابن حجر جزء ۱ ص ۱۲۵)

اس صورت میں تمہارے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔

دوسری حدیث :۔

من مس فرجه فليتوضأ (اخرجه الطبرانی و صححه تلخیص ابن حجر جزء ۱ ص ۱۲۵)

جو شخص اپنی شرم گاہ کو چھوئے اس کو چاہیئے کہ وہ وضوء کرے۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہوا کہ جب آدمی

نماز پڑھتا ہے تو ہر حال میں شرم گاہ پر کپڑا ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر ہاتھ لگ جاتا ہے تو وہ جسم کا ہی ایک حصّہ ہے۔ یہ مطلب پہلی حدیث کا ہے۔ جو شخص اپنی شرم گاہ کو اس حالت میں چھوئے کہ جسم پر یا شرم گاہ پر کپڑا نہیں ہے تو وضوء ٹوٹ جائے گا، یہ دُوسری حدیث کا مطلب ہے۔

لیکن ان دونوں حدیثوں کے شک کو دُور کرنے کے لئے درجِ ذیل حدیث ملاحظہ فرمایئے جو بالکل صاف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

اذا افضی احدکم	جب تم میں سے کوئی اپنے
بیدہ الی فرجہ لیس	ہاتھ کو اپنی شرم گاہ کی طرف
دونہا حجابٌ ولا	لے جائے ۔۔۔۔۔۔

ستر فقد وجب	کہ شرم گاہ پر نہ کوئی ازار ہو
علیہ الوضوء رواہ	اور نہ کپڑا تو یقیناً اس پر
ابن حبان فی صحیحہ۔ ہذا	وضوء فرض ہو گیا۔
حدیث صحیح سندہ... صححہ	
الحاکم من ہذا الوجہ و ابن	
عبدالبر، تلخیص ابن حجر	
جزء ۱ ص۱۲۶)	

قارئین کرام جماعت المسلمین نے بغیر قیاس کے جواب دیدیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس کا احسان ہے۔

اعتراض سُنا ہے جماعت المسلمین ضعیف حدیث پر عمل نہیں کرتی۔ لیکن مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں ازار

لٹکنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ البانی صاحب نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

مغرب کی اذان سُنکر جو دُعا پڑھی جاتی ہے وہ بھی ضعیف ہے البانی صاحب نے اس کو بھی ضعیف کہا ہے۔ جماعت المسلمین اور اُن کا امیر ان پر عمل پیرا ہیں :۔

جواب حدیث "اسبال فی الصلوٰۃ" جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے یعنی وضوء کے بعد اگر نمازی کا ازار ٹخنے سے نیچے آجائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے نماز نہیں ہوتی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے ۱/۱۷۲، اور ۴/۵۷ پر روایت کیا ہے۔ امام احمد نے ۵/۳۷۹ اور ۴/۶۷

پر روایت کیا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو ۵/۸۸۴
نسائی فی الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے "ابو جعفر"
یہ ابو جعفر انصاری مؤذن ہے۔ ابن حجر نے اس کو مقبول کہا ہے۔
(تقریب)

یہ "ابو جعفر الباقر" نہیں ہے کیونکہ یحییٰ ابن ابی کثیر
ابو جعفر الباقر سے روایت نہیں کرتے یحییٰ ابن ابی کثیر
ابو جعفر انصاری مؤذن، المدنی سے روایت کرتے ہیں۔
(تہذیب التہذیب والکاشف)

کسی امام کا یہ کہنا بھی ہے کہ ابو جعفر انصاری کا صحیح
نام کا پتہ نہیں چلتا۔ وضاحت ملاحظہ فرمائیے:۔
ابن حبان نے کہا ہے ابو جعفر کا نام محمد بن علی بن الحسین
ہے" ابن حجر کہتے ہیں:۔ یہ بات ابن حبان کی صحیح

نہیں۔ لان محمد بن علی لم یکن موذنا ولان
اباجعفر هذا قد صرح بسماعه من ابی هریرة
فی عدةٍ احادیث واما محمد بن علی بن الحسین
فلم یدرک ابا هریرة (تہذیب) یعنی محمد بن علی
بن الحسین موذن نہیں ہے یہ ابوجعفر موذن ہے اس
نے متعدد احادیث میں ابوہریرہؓ سے سُننا ثابت کیا
ہے اور رہا محمد بن علی بن الحسین (تو) اس نے ابوہریرہؓ
کو نہیں پایا۔ پھر ابن حبان نے ابوجعفر الموذن کا صحیح
نام (تلخیص ابن حجر ۱/۱۹۶) میں بتایا ہے۔ فقال ابن
حبان اسمه "محمد بن مُسلم بن مہران"
یعنی ابن حبان کہتے ہیں: اس کا نام محمد بن مسلم بن
مہران ہے۔ ابن حجر نے اس کو قبول کیا ہے۔ جس کی
بنیاد پر ابوجعفر کو تقریب میں مقبول کہا ہے، مزید برآں

ابوجعفر المؤذن" ابوہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور ابن عمر سے۔ ابوجعفر سے روایت کرنے والے یحییٰ ابن ابی کثیر اور مسلم ابوالمثنیٰ ہیں۔ لہٰذا ابن القطان کا مجہول کہنا بھی صحیح نہیں (تہذیب الجرح والتعدیل)

ابن حجر کہتے ہیں: کبھی ابوجعفر عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ ابوجعفر المؤذن ہی ہے۔ (تہذیب)

پھر اس حدیث کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:۔

عزاه صاحب الاطراف	صاحب اطراف نے نسائیؒ
الى النسائیؒ ولم اجد	کی طرف (اس حدیث کو)
فی نسختی فعلّه فی	منسوب کیا ہے اور میں نے
الکبریٰ رواه احمد	اپنے نسخہ میں (یہ چیز) نہیں

ورجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد ۵/۱۲۵)

دیکھی، ہو سکتا ہے کہ نسائی کبریٰ میں ہو۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا ہے (اور احمد کے رجال صحیح ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

انه رای اعرابیا یصلی قد اسبل ازاره فقال المسبل ازاره فی الصلوٰة لیس من الله فی حل ولا حرام (رواه الطبرانی ۹/۲۷۳، ۲۷۴ ورجاله ثقات ومجمع الزوائد ۵/۱۲۴ وسنده صحیح)

انہوں نے ایک دیہاتی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے اور اس نے اپنا ازار اپنے (ٹخنے سے) نیچے لٹکایا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا: نماز میں اپنے ازار کو لٹکانے والا اللہ کی طرف سے نہ حلال میں ہے اور نہ حرام میں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ اس کو حلال کا اختیار ہے اور نہ حرام کا وہ ایسا کس بنیاد پر کر رہا ہے۔

درج ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیے:۔

ابراہیم نخعی کہتے ہیں:۔

بینا ابن مسعود جالس	اس حال میں کہ ابن مسعودؓ
مع اصحابہ فی المسجد	اپنے ساتھیوں کے ساتھ
اذ دخل رجلان نقاما	مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے
خلف سارتین فصلی	کہ دو آدمی داخل ہوئے
احدھا قد اسبل ازارہ	وہ دونوں کھڑے ہوئے دو
والاخر لا یتم رکوعہ	ستونوں کے پیچھے۔ ان دونوں
ولا سجودہ فجعل ابن	میں سے ایک اس حال
مسعود ینظر الیھا	میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اس

فقال جلساؤه لقد
شغلك هذان عنّا
قال اجل اما هذا
فلا ينظر الله اليه
يعنى المسبل ازاره
واما هذا فلا يقبل
الله منه يعنى الذى
لا يتم ركوعه ولا
سجوده (رواه الطبرانى
فى الكبير ۲۷۴/۹ وسنده
لا باس به)

نے اپنا ازار لٹکایا ہوا تھا
اور دُوسرا اس حال میں نماز
پڑھ رہا تھا کہ وہ رکوع پورے
کر رہا تھا اور نہ سُجود۔ ابن
مسعودؓ ان دونوں کی طرف
دیکھنے لگے۔ ان کے اصحاب
نے کہا: ان دونوں آدمیوں
نے آپ کو ہم سے مشغول کر دیا۔
حضرت ابن مسعود نے کہا: ہاں
ایسا ہی ہے۔ یہ شخص جو ازار
لٹکا کر نماز پڑھ رہا ہے اللہ
تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں
فرمائے گا اور یہ شخص جو رکوع

پورے کر رہا ہے اور نہ سجود،
اس کی بھی نماز قبول نہیں کریگا)
یہ موقوف حدیث بھی حدیثِ ابوہریرہؓ کے لئے
قوت کا باعث ہے۔ لہٰذا حدیث صحیح ہے۔
حدیث (۲) مغرب کی اذان سُن کر جو دُعاء
پڑھی جاتی ہے وہ صحیح ہے۔ البانی صاحب نے "ابوکثیر"
کو مجہول سمجھتے ہوئے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔
مگر امام حاکم نے مستدرک میں اس دعاء کو صحیح کہا ہے۔
صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی (۱/۱۹۹) بعد ازاں حافظ
ابن حجر نے (تلخیص میں جزء ۱ صفہ۲۱) پر اس دُعاء کو
نقل کیا ہے اور پھر امام حاکم کی تصحیح نقل کی ہے یعنی
اس دُعاء کی تصحیح کو ٹھیک مانا ہے۔ اگر یہ حدیث
ضعیف ہوتی تو ابن حجر خاموش نہ رہتے۔ ابن حجر

کی خاموشی حدیث کی صحت پر مُہر ثبت ہے۔ مزید اس کی متابعت کے لئے (رواہ الترمذی ۵/۵۳۶م) (رواہ الطبرانی ۲۳/۳۰۳) (رواہ ابوداؤد ۱/۱۴۶) (رواہ ابویعلی ۱۲/۳۲۴) پر بھی دیکھئے۔

اعتراض | جو شخص نماز بھول جائے وہ تشہد پڑھکر سلام پھیرے یا سب کچھ پڑھکر سلام پھیرے، کیونکہ یوسف لدھیانوی صاحب کی کتاب "اختلاف اُمت اور صراط مستقیم" پڑھی انہوں نے اس مسئلہ کو مدلل بیان کیا ہے۔ لیکن صلوٰۃ المسلمین اس مسئلے میں خاموش ہے؟ اگر حدیث صحیح ہے تو آپ حضرات عمل کیوں نہیں کرتے؟

جواب | اس مسئلہ کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت

عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی گئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت مغیرہ بن شعبہ سے جو احادیث مروی ہیں وہ ضعیف ہیں حضرت عمران بن حصینؓ والی حدیث حسن ہے مگر "تشہد" کے الفاظ شاذ ہیں۔ وضاحت درجِ ذیل ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :-

عن النبی صلی اللہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
علیہ وسلم قال اذا	ہیں :- جب تم نماز میں ہو
کنت فی الصلوٰۃ	تین اور چار میں تمہیں شک
فشککت فی ثلاث	ہو (تو) اپنے خیال کو چار پہ
واربع واکثر ظنک	مضبوط کرو۔ تشہد پڑھو
علی اربع تشھدت	اور تم دو سجدے کرو اس

ثم سجدت سجدتين — حال میں کہ تم بیٹھے ہو اس
وانت جالس قبل — سے قبل کہ تم سلام پھیر دو۔
ان تسلم ثم تشهدت — پھر تم تشہد پڑھو اسی طرح۔
ایضاً ثم سلمت — پھر سلام پھیر دو۔

(رواہ احمد محمد شاکر جزء ٦
ص٧٦ اسنادہ ضعیف)

یہ روایت منقطع، ضعیف ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عامر بن عبداللہ بن مسعودؓ، ابو عبیدہ ہے اس نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کچھ نہیں سُنا

امام شعبہ کہتے ہیں :۔

سألت ابا عبيدة هل — میں نے ابو عبیدہ سے معلوم
تذكر من عبد الله — کیا، کیا تمہیں عبداللہ سے
شيئاً قال لا (تهذيب) — کچھ یاد ہے؟ کہا نہیں۔

امام ترمذی کہتے ہیں :-

لا یعرف اسمه ولم یسمع — اس کا نام معلوم نہیں اور
من ابیه شیئًا (تہذیب) — اس نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سُنا۔

امام ابن حبان کہتے ہیں:

قال لم یسمع من — اس نے اپنے باپ
ابیه شیئًا (تہذیب) — سے کچھ نہیں سُنا۔

امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اور دوسرے ائمہ نے یہی بات کہی ہے کہ ابو عبیدہ نے اپنے والد سے کچھ نہیں سُنا (تہذیب)

امام ابو داؤد کہتے ہیں :-

ورواه عبدالواحد عن خصیف — عبدالواحد نے خصیف سے اس
ولم یرفعه ووافق عبدالواحد — کو روایت کیا ہے اور اس کو
ایضًا سفیان وشریک و — مرفوع نہیں کہا، اسی طرح
اسرائیل واختلفوا فی الکلام فی — سفیان، شریک، اسرائیل نے

متن الحدیث ولم	عبدالواحد کی موافقت کی ہے
یسندوہ (التعلیقات	اور حدیث کے متن میں انہوں
احمد محمد شاکر علی احمد	نے اختلاف کیا ہے اور اس
جزء ٦ ص٦٧)	کو مسند نہیں کیا۔

لہٰذا معلول ہے۔ بعدازاں اس حدیث کو علقمہ اور اسود نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کیا ہے جو صحیحین میں ہے یہ دونوں "تشہد" کے الفاظ روایت نہیں کرتے اور جب ابو عبیدہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں تو تشہد کا ذکر کرتے ہیں اس طرح ابو عبیدہ نے علقمہ اور اسود جو دونوں بہت بڑے امام ہیں مخالفت کی ہے۔ یہ چیز بھی اس حدیث کو مزید ضعیف بناتی ہے۔

امام بیہقیؒ کہتے ہیں :۔

وھذا غیر قوی و	یہ حدیث صحیح نہیں ہے

مختلف فی رفعه وسنده (رواه البیهقی ۲/۳۵۶، ورواه ابوداؤد)

اس کے مرفوع ہونے اور متن کے صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔

(۲) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم تشهد بعد ان رفع رأسه من سجدتی التشهد

(رواه البیهقی ۲/۲۵۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کے دو سجدوں سے سر اُٹھا کر تشہد پڑھا۔

یہ حدیث ضعیف ہے۔ محمدّ بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلی صدوق سئ الحفظ جداً (تقریب) یعنی سچّے ہیں بہت زیادہ حافظہ خراب ہے اسی وجہ سے دوسرے ائمّہ نے ضعیف، مضطرب الحدیث، فاحش الخطاء

ردی الحفظ کثیر الوھم لیس بالقوی...... کہاہے، دیکھئے
(تہذیب)

ابن حجرؒ کہتے ہیں :۔

لکن وورد فی التشھد	بھول کے (۲) دو سجدوں میں
فی سجود السھو عن	تشہد پڑھنے کو ابوداؤد اور
ابن مسعود عند	نسائیؒ نے ابن مسعودؓ سے
ابی داؤد والنسائی	نکالا ہے اور امام بیہقی
وعن المغیرۃ	نے مغیرہ (بن شعبہ) سے
عند البیھقی وفی	لیکن دونوں حدیثوں میں
اسنادھما ضعف	ضعف ہے۔

(فتح الباری)

الغرض یہ حدیث بھی ضعیف ہے ۔

(۳) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بہم فسہا فسجد سجدتین ثم تشہد ثم سلّم (رواہ ابوداؤد ۱/۲۷۳ و الترمذی ۲/۲۴)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ پھر بھول گئے۔ پھر آپ نے تشہد کے دو سجدے کئے۔ پھر آپ نے تشہد پڑھا۔ پھر سلام پھیر دیا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور امام حاکم نے صحیح کہا ہے ۔ یہ حدیث معترضین کی بہت بڑی دلیل ہے۔ وضاحت ملاحظہ فرمائیے:

مندرجہ بالا حدیث کی سند میں ایک راوی اشعث بن عبدالملک ہے جس نے "تشہد" کے الفاظ روایت کرکے بڑے بڑے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے اور

تشہد کا ذکر کر کے تفرد کیا ہے۔ جس کی بنیاد پر مندرجہ بالا حدیث قابل احتجاج نہیں۔ اشعث نے جن ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے وہ درج ذیل ہیں :۔

(۱) امام شعبہ۔

(۲) وُہیب بن خالد بن عجلان۔

(۳) ابن علیّہ ہو اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم۔

(۴) الثقفی وہو عبدالوہاب بن عبدالمجید۔

(۵) ہیشم وھو ابن بشیر بن القاسم بن دینا السلمی۔

(٦) حمّاد بن زید۔

(۷) یزید بن زُریع۔

مندرجہ بالا تمام راوی خالد الحذاء سے روایت کرتے ہیں مگر کسی نے بھی بھُول کے دو سجدوں میں تشہد کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اشعث محمد بن سرین سے تشہد

کا ذکر کرتے ہیں۔ اِس چیز کو اشعث کی غلطی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ سات ثقہ راوی غلطی نہیں کر سکتے ایک راوی غلطی کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے امام بیہقی، ابنِ عبدالبر اور دُوسرے ائمہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے (فتح الباری ۹۹/۳ و رواہ البیہقی ۳۵۵/۲)

ابنِ حجر کہتے ہیں: اشعث نے محمد بن سیرین سے تشہد کا ذکر کر کے حفاظ کی مخالفت کی ہے۔ فان المحفوظ عن ابن سرین فی حدیث عمران لیس فیہ ذکر التشہد (فتح الباری) یعنی ابنِ سرین کی وہ روایت جو عمرانؓ سے مروی ہے جس میں تشہد کا ذکر نہیں ہے محفوظ ہے۔

سراج نے سلمہ بن علقمہ سے اسی حدیث کو روایت کیا ہے (سلمہ بن علقمہ) کہتے ہیں: قلت لابن سرین

فالتشہد قال لم اسمع فی التشہد شیئًا

(فتح الباری) یعنی میں نے ابن سرین سے کہا کیا (سہو میں) تشہد ہے؟ ابنِ سرین نے کہا تشہد کے بارے میں مَیں نے کچھ نہیں سُنا۔ لہٰذا محمد بن سرین کا سہو کے سجدوں میں تشہد کا نہ سُننے سے اس مسئلہ کی عمارت دھڑام سے نیچے آن پڑی۔ پھر حضرت عمران بن حصین والی حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے اس کو کیوں نظر انداز کیا گیا اس لئے کہ اس میں تشہد کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

سلم رسول اللہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم	نے عصر کی تین رکعت پر
فی ثلاث رکعات	سلام پھیر دیا۔ پھر آپ کھڑے

من العصر ثم قام
فدخل الحجرة فقام
رجل بسيط اليدين
فقال اقصرت الصلوة
يا رسول الله فخرج
مغضبا فصلى الركعة
التي كان ترك ثم
سلم ثم سجد سجد
في السهو ثم سلم
(صحیح مسلم ۱/۴۰۵)

ہوئے اور حجرہ میں داخل
ہو گئے۔ پھر ایک لمبے ہاتھ والے
شخص کھڑے ہوئے انہوں
نے کہا اے اللہ کے رسولؐ
کیا نماز کم ہو گئی ہے؟ پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم غصہ کی حالت میں باہر
تشریف لائے۔ پھر آپؐ نے
وہ رکعت جو رہ گئی تھی پڑھائی۔
پھر آپؐ نے سلام پھیر دیا۔
پھر بھول کے دو سجدے کئے۔
پھر سلام پھیر دیا۔

صحیح مسلم کی حدیث محفوظ ہے جس میں تشہد

نہیں ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں :۔

فصارت زیادۃ شاذۃ (فتح الباری ۲/۹۹) یعنی (بھول کے سجدوں میں تشہد کی) زیادتی شاذ ہے۔ یعنی ضعیف ہے۔

لہٰذا یہ حدیث حسن نہیں ہے۔ صلوٰۃ المسلمین میں اس مسئلہ کو جگہ اس لئے نہیں دی گئی کہ اس مسئلہ کو پھر کسی موقع پر بیان کرنیکا خیال تھا۔ مزید برآں یہ مسئلہ کس قدر مدلل ہے یہ آپ نے دیکھ ہی لیا۔ یوسف لدھیانوی صاحب نے عوام کو اس مسئلہ کا ایک رُخ دکھایا اور دوسرا رُخ حذف کر گئے کیونکہ وہ رُخ ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ وہ رُخ ہم نے عوام کو دکھا دیا ہے الغرض دھوکا نہ کھایئے۔

اعتراض | جناب یوسف لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں :۔

یہاں چند امور قابلِ ذکر ہیں :

اوّل : نمازِ جنازہ کو نماز کہنا مجازاً ہے۔ کیونکہ اسمیں نماز کی شرائط سترِ عورۃ اور استقبالِ قبلہ وغیرہ کو ضرور قرار دیا گیا ہے، ورنہ اپنی اصل کے اعتبار سے نماز نہیں بلکہ ایک مخصوص طریقہ سے میّت کے لئے دُعا و استغفار ہے حافظ ابنِ قیّم زاد المعاد میں لکھتے ہیں :۔

ومقصود الصلوٰۃ علی	نماز جنازہ سے مقصود میّت
الجنازۃ ھو الدعاء	کے لئے دُعا کرنا ہے۔ اور
للمیّت۔ وکذالك	اِسی طرح آنحضرت صلی اللہ
حفظ عن النبی صلّی	علیہ وسلم سے جنازہ کی دعائیں
اللہ علیہ وسلم	اس کثرت کے ساتھ نقل کی گئیں
ونقل عنہ مالم	ہیں کہ فاتحہ یا درود شریف
ینقل من قرأۃ	کا پڑھنا اس طرح نقل

الفاتحہ والصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم (اختلاف امت اور صراط المستقیم ص۱۶۷ جزء ۲)	نہیں کیا گیا۔

جواب (۱) نماز جنازہ کو نماز مجازاً کہا گیا ہو یا حقیقتاً مگر ہے نماز کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ کو نماز ہی کہا ہے۔

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی الجنازۃ (صحیح بخاری)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نمازِ جنازہ پڑھی۔
وقال صلّوا علی صاحبکم (صحیح بخاری)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی کی نمازِ (جنازہ) پڑھو۔

اس میں رکوع ہوتے ہیں نہ سجود، لیکن پھر بھی آپؐ نے نمازِ جنازہ کو نماز کا نام دیا ہے۔ اب کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ قیاس کر کے یا مجازاً کہہ کر نمازِ جنازہ کا دُعاء کہہ کر انکار کر دے۔ علاوہ ازیں یوسف صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جب نمازِ جنازہ حقیقتاً نماز نہیں ہے تو سورۂ فاتحہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اچھا یہ بتائیے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں، اگر پڑھی ہے تو ضروری ہے اور اگر نہیں پڑھی ہے تو ضروری بھی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس حدیث کو اُمّ شریک، اسماء بنت یزید اور حضرت امّ عُفیف رضی اللہ عنھنّ روایت کرتی ہیں جو آگے آرہا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ کا مطلب یہ ہے کہ جس کثرت سے نماز جنازہ کی دُعائیں مروی ہیں اس کثرت سے سورۃ فاتحہ اور دُرود شریف کی بھی روایات کثرت سے مروی ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ مزید برآں حافظ ابن قیمؒ نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا انکار نہیں کیا اور جب انہوں نے انکار نہیں کیا تو ان کے قول کو پیش کرنے سے کیا فائدہ۔ جناب یوسف صاحب مسئلہ کی پیروی کے لئے اگر ایک بھی حدیث صحیح مل جائے تو اس پر عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے اور یہ اُصول حنفیہ کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

اعتراض دوم: چونکہ نمازِ جنازہ اپنی اصل کے اعتبار سے دُعاء ہے اور دُعاء کے آداب میں سے ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد

ثناء کی جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود پڑھا جائے اس لئے نمازِ جنازہ میں بھی یہی ترتیب رکھی گئی ہے کہ ...... (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم صٓ۱۶۷ جزء۲)

جواب (۲) یوسف لدھیانوی صاحب نے جو ترتیب دُعاء کے سلسلہ میں تحریر کی ہے وہ نماز کے علاوہ ہے۔ اس ترتیب کو نماز کے اندر شامل کر دینا کس حد تک صحیح ہوگا؟ پھر نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا جس حدیث میں ہے اسی حدیث میں درود شریف پڑھنا بھی ہے۔ یوسف صاحب حدیث کے بعض حصّہ کو تسلیم کر رہے ہیں اور حدیث کے بعض حصّے کا انکار کر رہے ہیں، افسوس، مذہب پرستی کیا کیا حیلے سکھاتی ہے اور کیسے

کیسے بہلنے سکھاتی ہے۔

اب وہ حدیث ملاحظہ فرمائیے جس میں سورۂ فاتحہ اور درود مروی ہے۔ حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی نے خبر دی:۔

ان السنة فی الصلوٰة علی الجنائز ان یکبر الامام ثم یقراء الفاتحة الکتب بعد التکبیرة الاولیٰ .... ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ الشافعی	بے شک نمازِ جنازہ میں سنّت یہ ہے کہ امام اللہ اکبر کہتا ہے۔ پھر پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتا ہے۔

فی کتاب الام ۱/۲۷۰ ورواہ
الحاکم فی مستدرکہ ۱/۳۶۰
صححہ ھوو وافقہ الذہبی)

لہٰذا یوسف لدھیانوی صاحب کی یہ عادت مسعود الدین عثمانی سے جاملی کیونکہ انہوں نے بھی اپنے عقیدہ کی حمایت میں حدیث کے بعض حصہ کا انکار کیا اور حدیث کا بعض حصہ مان لیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اعتراض (سوئم) کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو، حافظ ابنِ قیّم کہتے ہیں:۔

ویذکر عن النبیؐ صلی | اور نبی کریم صلی اللہ علیہ

الله علیه وسلم انه امران یقرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب ولا یصلح اسناده۔

وسلم سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے نمازِ جنازہ میں قرأت فاتحہ کا حکم فرمایا۔ مگر اس کی سند صحیح نہیں۔

(اختلاف اُمت اور صراطِ مستقیم ص۱۶۷)

جواب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم تو موجود ہے اگر موصوف کو حنفی مذہب کی محبّت کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو وہ اور بات ہے۔ پھر موصوف نے اپنی حمایت میں ابنِ قیّم کا قول نقل کیا ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم سنداً صحیح نہیں ہے۔ حافظ ابنِ قیّم اور یوسف صاحب کی بات کس حد تک صحیح ہے دلائل کی

روشنی میں ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابی نے مجھے خبر دی:۔

ان السنة فی الصلوٰة	بے شک نمازِ جنازہ میں
علی الجنائز ان یکبر	سُنّت یہ ہے کہ امام اللہ اکبر
الامام ثم یقرأ بفاتحة	کہتا ہے۔ پھر پہلی تکبیر کے
الکتاب بعد التکبیر	بعد آہستہ آواز میں سورہٴ
الاولیٰ۔ سرًّا فی نفسه	فاتحہ پڑھتا ہے۔ پھر نبی
ثم یصلی علی النبی	صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود
صلی اللہ علیه وسلم	شریف بھیجتا ہے اور
ویخلص الدعـاء	تیسری تکبیر میں جنازہ
للجنازة فی التکبیرات	کی دُعاء کو پہنچتا ہے۔ اس میں

(الثالث) لا يقرأ في شيءٍ منهن، ثم يسلّم سرًّا في نفسه ان يفعل من وراءه مثلها فعل امامه (رواه الشافعي في كتاب الام ص۲۷ جزء۱ ورواه الحاكم ۱/ ۳۶۰ صححه الحاكم و وافقه الذهبي و رواه البيهقي ۴/ ۳۹ واحكام الجنائز للالباني ص۱۲۱ وسنده صحيح) الفتح الرباني جزء ۷/ ۲۴۱ وسنده صحيح)

کچھ اور نہیں پڑھتا۔ پھر آہستہ آواز سے سلام پھیرتا ہے (جس وقت وہ اپنی دائیں جانب سلام پھیر لیتا ہے تو پھر سنّت یہ ہے کہ جو امام کے پیچھے ہیں وہ بھی امام کے مثل کرتے رہیں۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن عوف کہتے ہیں:

صليت خلف ابن عباس رضی الله عنهما على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب قال لتعلموا انها سنة (صحیح بخاری) (فتح الباری ۳/۲۰۳)	میں نے ابن عبّاس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی (کہتے ہیں: سورۂ فاتحہ میں نے اس لئے پڑھی) تاکہ تم جان لو کہ اس کا پڑھنا (نمازِ جنازہ میں) سنّت ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قرأ على الجنازة بفاتحة	بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ

الکتاب (رواہ الترمذی پڑھی۔
تلخیص ابن حجر جزء ۲
ص۱۱۹ اسنادہ صحیح)

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں: کہ عبداللہ ابنِ عباسؓ کی حدیث انّھا سنّۃ مندرجہ بالا حدیث کو مضبوط کرتی ہے۔ یعنی سورۂ فاتحہ نمازِ جنازہ میں پڑھنا سنت ہے۔

(۴) حضرت اُمّ شریک انصاری رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرأ علی الجنازۃ بفاتحہ الکتاب (رواہ ابن ماجہ ۱/۴۷۹ ومجمع الزوائد)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کریں۔

مندرجہ بالا حدیث کی روایت میں شہر بن حوشب
ہیں۔ امام احمد، یحییٰ بن مُعین، امام عجلی، یعقوب بن
شیبہ اور دُوسرے ائمّہ نے ثقّہ کہا ہے۔ (تہذیب)
امام بخاریؒ کے حوالہ سے امام ترمذی کہتے ہیں:۔
شہر حسن الحدیث وقوای امرہ (تہذیب)
یعنی شہر بن حوشب کی حدیث کو حسن کہا اور اس کے
معاملہ کو قوی بتایا، لہٰذا یہ حدیث امام مُسلم کی شرط پر
صحیح ہوئی۔ مزید برآں امام ترمذی، امام عراقی،
اور حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔
(الفتح الربانی جزء ۱۷ ص ۱۳۲)

(۵) حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ جب

اذا صلیتم علی الجنازۃ	تم جنازہ کی نماز
فاقرأوا بفاتحۃ	پڑھو تو سورۂ فاتحہ
الکتاب (رواہ الطبرانی	پڑھو۔
فی الکبیر ۲۴/۱۶۲) (مجمع	
الزوائد ۳/۳۲)	

اِس روایت میں ''محمّد بن حمدان'' ہے امام ابوحاتم نے صالح اور ابوزرعہ نے صدوق کہا ہے (الجرح والتعدیل ۷/۲۳۶) (تقریب) امام ابوداؤد محمد بن حمدان کی تعریف کرتے تھے۔ امام نسائیؒ نے کہا ہے یہ قوی نہیں ہے۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے خطاء کے ساتھ۔ (تہذیب) امام ذہبی صالح الحدیث کہتے ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں۔ میں اس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتا (میزان) لہٰذا یہ حدیث بھی شواہد کی بنیاد پر صحیح ہے۔

جناب یوسف صاحب یہ احادیث قولی ہیں۔

(٦) حضرت اُمّ عُفیف رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔

امرنا ان نقرأ علی میتنا بفاتحۃ الکتاب (رواہ الطبرانی فی الکبیر ٢٥/١٦٨)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے مُردوں پر سُورۂ فاتحہ پڑھا کریں۔

اس حدیث کی روایت میں عبدالمنعم ابوسعید کی وجہ سے ضعف ہے مگر متابعت اور شواہد کی بنیاد پر کوئی مضائقہ نہیں۔

(٧) وعن ابی هريرة وابی الدرداء وابن مسعود وانس بن مالك انهم كانوا

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت انس بن مالکؓ رضی اللہ عنہم نمازِ جنازہ میں اُم القرآن پڑھا

یقرؤن ام القرآن
ویدعون ویستغفرون
بعد کل تکبیرة من
ثلاث فی الجنازة ثم
یکبرون وینصرفون
ولا یقرؤن (المحلی ابن
حزم ۵/۱۳۰) (مصنف
عبدالرزاق ۳/۴۹۲ وسندہ
صحیح ولہ شواہد)

کرتے تھے دعاء کرتے تھے اور
بخشش طلب کرتے تھے
تیسری تکبیر میں سے
ہر تکبیر کے بعد۔ پھر
اللہ اکبر کہتے اور (سلام)
پھیر دیتے۔ پھر
قرأت نہ کرتے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے:-

انہ کان یقرأ علی الجنازة
باُمّ الکتاب (المحلی

حضرت عبداللہ رضی اللہ
عنہ نمازِ جنازہ میں اُمّ

ابن حزم ۵/۱۲۹) (سندہ صحیح ماقبلہ)

الکتاب پڑھا کرتے تھے۔

(۹) محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت ہے:۔

ان المسور بن مخرمة صلى على الجنازة فقرأ في التكبيرة الاولى فاتحة الكتاب وسورة قصيرة رفع بها صوته فلما فرغ قال لا اجهل ان تكون هٰذه الصّلوٰة عجماء ولكن اردت ان اعلمكم ان فيها قرأة (المحلى

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی (تکبیر تحریمہ) کے بعد پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کی اور ایک چھوٹی سورت پڑھی اور اپنی آواز کو ان دونوں کے ساتھ بلند کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہا میں بھولا نہیں ہوں کہ یہ نماز ناقص ہوگئی

ابن حزم ۵/۱۲۹)

ہے لیکن میں نے ارادہ کیا کہ تمہیں بتاؤں کہ اس میں قرأت ہے۔

اس روایت کی سند صحیح ہے۔

(۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر على جنائزنا اربعًا ويقرأ بفاتحة الكتاب فى التكبيرة الاولى۔
(رواه الحاكم فى مستدركه ۱/۳۵۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے اور پہلی تکبیر میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کی روایت میں "عبد اللہ بن محمد بن عقیل" جو صرف حافظہ میں کمزور ہیں متابعت

میں حجّت لینے میں کوئی مُضائقہ نہیں ، دُوسرا راوی ابراہیم بن محمّد بن ابی یحیٰی متروک ہے لیکن اس کی حدیث کا متن صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا کوئی مُضائقہ نہیں ۔

(۱۱) حضرت سعید بن مسیّب کہتے ہیں :۔ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنّت ہے ۔ (رواہ ابنِ ابی شیبۃ ۳/۱۸۱ وسندہ صحیح)

(۱۲) حضرت فضا بن اُمیّہ کہتے ہیں :۔

قرأ الذی صلی علی ابی بکر و عمر بفاتحۃ الکتاب (رواہ البخاری فی تاریخہ ۷/۱۲۵ ونیل الاوطار جزء ۵ ص۶۷ ۔ لا بأس بہ سندہ)	جس نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ پڑھائی انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔

(۱۳) امام حسن البصری، امام مکحول، فضالہ مولی عمران، ابراہیم اور دُوسرا ائمّہ کرام نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ (مصنّف ابن ابی شیبہ)

الغرض نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے جو مرفوع بھی ہیں اور موقوف بھی ہیں اور متعدد ائمّہ سے بھی مروی ہیں، یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر صحابۂ کرام سے پھر تابعین اور تبع تابعین سے ثابت ہے۔ قارئینِ کرام یوسف لدھیانوی صاحب اور حافظ ابنِ قیّم کا قول کس حد تک صحیح ہے، آپ خود غور کرسکتے ہیں۔

اعتراض چہارم:۔ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی سب سے صحیح حدیث وہ ہے جسے امام بخاریؒ نے "باب قرأت الفاتحۃ علی الجنازۃ" میں

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

جواب (۴) اعتراض سوم میں فرما رہے تھے کہ نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ پڑھنے کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور چہارم میں فرما رہے ہیں کہ سب سے صحیح حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ قارئینِ کرام یہی ہمارا کہنا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ پڑھنے کی حدیث جو صحیح بخاری میں ہے وہ صحت کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہے اور دوسری احادیث بھی صحیح ہیں اگرچہ صحت میں کچھ کم سہی۔ لہٰذا جناب یوسف لُدھیانوی صاحب نے بھی ہماری تائید کرکے نماز جنازہ میں سُورۂ فاتحہ پڑھنے کو تسلیم کرلیا ہے۔

اعتراض اِس روایت میں ایک امر تو قابلِ غور یہ ہے کہ حضرت ابنِ عبّاس

رضی اللہ عنہما سے سوال سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کیا گیا تھا یا بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں؟ اگر بلند آواز سے پڑھنے کے بارے میں سوال تھا تو جواب میں سنّت اور حق بھی جہر ہی کو فرمایا گیا ہوگا۔

جواب امر قابلِ غور جب ہوتا جب کہ اس بات کی وضاحت احادیث میں نہ ہوتی۔

احادیث میں یہ وضاحت موجود ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سرّی ہے۔ احادیث گذر چکی ہیں وہاں دیکھئے۔

حضرت عبداللہ بن عبّاس اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد خود فرمایا تھا کہ بلند آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھنا تعلیماً ہے، یعنی لوگوں کو سنانے کے لئے ہم نے بلند

آواز سے پڑھی ہے ورنہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ
پڑھنا خفیہ آواز سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظہر یا عصر کی نماز
میں کبھی کبھار کسی سورت کی ایک یا دو آیات بلند
آواز سے پڑھ لیا کرتے تھے تاکہ صحابۂ کرام کو معلوم ہوجائے
کہ آپؐ کونسی سورت پڑھ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری و
صحیح مسلم)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ
...... بلند آواز سے پڑھ لیا کرتے تھے تاکہ صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوجائے کہ (تکبیر تحریمہ کے
بعد) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنا سنّت اور حق
ہے (صحیح مسلم)۔

لہٰذا جس فعل کا خفیہ ہونا سنّت ہے اگر وہ

فعل یا عمل تعلیماً بلند آواز سے پڑھا جائے تو وہ خفیہ ہی رہے گا کسی کے طنز کرنے سے بلند آواز سے پڑھنا سنّت نہیں ہو گا۔

اعتراض اگر آپ سے سوال سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں تھا تو اس سوال سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ عام طور پر عادت نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی نہیں تھی۔ چونکہ حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما نے خلاف معمول کیا۔ اس لئے ان سے سوال کیا گیا۔ اور جواب میں اس کو سنّت فرمایا گیا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ سورۂ فاتحہ کا بنیّت ثناء پڑھنا بھی جائز ہے اور یہ بعض حنفیہ کا مذہب ہے۔ (اختلاف امّت اور صراطِ مستقیم ص۱۶۸ جزء ۲)

جواب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نمازِ

جنازہ میں سورۂ فاتحہ بلند آواز سے پڑھنے کا انداز بتا رہا
ہے کہ بعض حضرات نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو
ترک کر چکے ہوں گے تو حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ نے
بلند آواز سے قرأت کر کے یہ بتانا چاہا کہ نماز جنازہ میں
سورۂ فاتحہ پڑھنا عین سنّت ہے جس کو آپ لوگ
چھوڑ چکے ہیں اور جب عبداللہ بن عبّاس نے بلند آواز
سے قرأت کی تو یہ چیز نئی اور خلافِ معمول معلوم ہوئی
اور ابنِ عبّاسؓ سے اس سلسلہ میں سوال ہوا تو ابنِ
عبّاسؓ نے اس عمل کی وضاحت کر دی کہ میں نمازِ
جنازہ میں سُورۂ فاتحہ کو بلند آواز سے پڑھ کر ان حضرات
کو بتانا چاہتا ہوں جو اس عمل کو چھوڑ چکے ہیں ۔ مزید
برآں جناب یوسف لدھیانوی صاحب سورۂ فاتحہ کو بحیثیت
ثناء سمجھتے ہیں اور نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کو ثناء کی

حیثیت سے پڑھنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے تو احناف کے نزدیک صرف جائز کیوں ہے فرض کیوں نہیں ہے۔ ایسی سنّت جس کے چھوڑنے پر ابنِ عبّاسؓ لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ اس سنّت کا چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ احناف کا جائز کہنا سنّت کی اہمیّت کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ یہی ہمارا کہنا ہے کہ احناف اپنے مذہب کے سامنے سنّت کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ سنّت ہی تو ہے اور اپنے مذہب کو جو خود ساختہ ہے پکڑے رہتے ہیں۔

اعتراض دوسرا امر یہ بھی قابلِ غور ہے کہ ابنِ عبّاسؓ رضی اللہ عنہما نے صرف سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی بلکہ اس کے ساتھ ایک سورۂ بھی پڑھی مگر نمازِ جنازہ

میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔ (اختلافِ امت)

جواب قارئینِ کرام ذرا یوسف لدھیانوی صاحب کے مندرجہ بالا بیان پر غور فرمائیے کہ کس قدر گمراہ کن ہے کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جس عمل کا ہونا سنّت ہے اس عمل کو یہ کہہ کر ٹال رہے ہیں کہ لوگ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت کے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کون لوگ ہیں ذرا یوسف صاحب انکے نام تو بتائیں ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات یوسف صاحب اور اُن کے پیروکار ہی ہوسکتے ہیں یعنی احناف۔

حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف کہتے ہیں :۔

صليت خلف ابنِ عبّاس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وَسُورةً وجهر حتّٰى اسمعنا فلمّا فرغ اخذت بيدہ فسألته فقال سنّة وحق (رواہ النسائی جز۴ ص۷۵ وسندہ صحیح)

میں نے حضرت ابن عبّاسؓ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی۔ انہوں نے سورۂ فاتحہ اور سورت کی تلاوت کی اور آواز کو بلند کیا حتّٰی کہ ہمیں سنایا۔ پھر جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور میں نے سوال کیا تو انہوں نے کہا یہ سنّت ہے۔ اور حق ہے۔ یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔

سنّت دین ہے۔ سنّت اسلام ہے۔ سنّت کی پیروی فرض ہے۔ سنّت نہیں تو اسلام نہیں۔ الغرض کوئی قائل

ہو یا نہ ہو ہم تو سنّت کے دلدادہ اور فریفتہ ہیں۔

اعتراض اگر اس حدیث سے حنفیہ پر ترکِ سنّت کا الزام عائد کیا جائے تو یہی الزام اِسی حدیث سے دُوسروں پر عائد ہو گا۔ (حوالہ مذکورہ)

جَواب بالکل حنفیہ پر ترکِ سنّت کا الزام عائد ہو گا اور اگر دُوسرے مذاہب پرست بھی نہیں تسلیم کریں گے تو ان پر بھی یہی الزام عائد ہو گا۔

اعتراض یہ غلط ہے کہ حنفیہ سُورۂ فاتحہ کے قائل نہیں ان کا مؤقف یہ ہے کہ چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض حضرات سُورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں (حوالۂ مذکورہ)

جَواب (۱) یہ صحیح ہے کہ حنفی نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ کے قائل نہیں، امام ابو حنیفہ رح کہتے

ہیں: لا قرأۃ علی الجنازۃ (موطا امام محمد ص۱۶۸)
(نماز) جنازہ میں قرأۃ نہیں ہے۔ جناب یوسف
لدھیانوی صاحب کہتے ہیں: یہ غلط ہے کہ حنیفہ سورۂ فاتحہ
کے قائل نہیں، اب ہم امام صاحب کی مانیں یا لُدھیانوی
صاحب کی، اگر لدھیانوی صاحب نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ
پڑھنا ٹھیک سمجھتے ہیں تو لدھیانوی صاحب جماعت
المسلمین کے کچھ قریب آ گئے ہیں اور امام صاحب کے خلاف
جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یوسف صاحب کو امام ابوحنیفہؒ
کے قول سے اتفاق نہیں ہے۔ کیونکہ امام صاحب کا
قول احادیث کے خلاف ہے۔

(۲) "یوسف لدھیانوی صاحب کا یہ کہنا کہ
بعض صحابہ کرام سورۂ فاتحہ کے قائل تھے اور بعض نہیں"
یعنی یوسف صاحب کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ،

حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت فضالہ بن عبیدؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ، واثلہ، حضرت قاسم، حضرت سالم، ابن المسیب، عطاء ابن ابی رباحؒ، یحییٰ بن سعید یہ حضرات سورۂ فاتحہ کے قائل نہیں تھے۔

قارئین کرام "لا یقرأون" سے مراد یوسف صاحب یہ لے رہے ہیں کہ مندرجہ بالا صحابہ کرام سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے حالانکہ ان کی یہ مراد لینا غلط ہے۔ ہم نے ص۳۳ دلیل (۹) پر ایک موقوف حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اُمّ القرآن پڑھا کرتے تھے "فینصرفون ولا یقرأون" پھر یہ حضرات سلام پھیر دیتے تھے اور قرأت نہیں

کرتے تھے۔ یہی اس کا صحیح مطلب ہے جو احادیث صحیحہ اور مرفوعہ کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا بعض صحابۂ کرام سورۂ فاتحہ کے قائل تھے اور بعض نہیں یہ چیز بھی ثابت نہیں ہے۔ مزید برآں حضرت ابوامامہ بن سہل، حضرت طلحہ بن عبداللہ، حضرت عبداللہ ابنِ عبّاس، حضرت اُم شریک انصاری، حضرت اسماء بنت یزید، حضرت اُم عفیف رضی اللہ عنہم تو مرفوعًا سورۂ فاتحہ پڑھنے کو روایت کر رہے ہیں اور حضرت عبداللہ ابن مسعود ابن مخرمہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوالدرداء اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم آپ کی سنّت کے مطابق عمل کر کے بتا رہے ہیں۔ بعد ازاں یوسف لدھیانوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ اس اثر کی سند و صحت کیسی ہے۔ سب جگہ صحت بتاتے ہیں مگر یہاں خاموشی سے

گذر گئے آخر کیوں ؟

(۳) "بعض صحابہ کرام نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ کے قائل تھے اور بعض نہیں" اس مسئلہ پر اس وقت غور ہوتا جبکہ رسُول اللہ صلی اللہ عَلیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت نہ ہوتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ پڑھنا ثابت ہے اور ہم سابقہ اوراق میں ثابت کر بھی آئے ہیں۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ کرام کے عمل کو پیش کرنا غَلَط ہے۔ صحابۂ کرام سے بھُول و غَلَطی ہو سکتی ہے مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلّم سے بھُول اور غَلَطی کا صدور ناممکن ہے۔ لہٰذا نبی علیہ السّلام کی پیروی ہو گی۔ اور غیر نبی کی پیروی نہیں ہو گی۔

اعتراض | "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ فرض و واجب نہیں"

(اختلاف اُمت اور صراطِ مستقیم)۔

جواب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہے، جب پڑھی ہے تو فرض بھی ہے اور واجب بھی۔ یعنی ہر حال میں پڑھنی ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

اعتراض | "البتہ حق تعالیٰ شانہ کی حمد و ثناء کے طور پر سورۂ فاتحہ پڑھ لینا درست ہے"

(حوالۂ مذکورہ)

جواب | یوسف لدھیانوی صاحب ابھی اُوپر فرما رہے تھے کہ فرض و واجب نہیں ہے۔ یہاں کہہ رہے ہیں کہ حمد و ثناء کے طور پر پڑھ لینا درست

ہے۔ جناب موصوف پریشان ہیں۔ اگر صاف اور واضح الفاظ میں یہ کہہ دیں کہ نمازِ جنازہ میں سُورۂ فاتحہ پڑھنا درست ہے تو حنفی مذہب کی مخالفت ہوتی ہے اور اگر صاف و صریح الفاظ میں یہ کہہ دیں کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھو تو احادیث نبوی کی مخالفت ہوتی ہے۔ جناب یوسف صاحب ہمّت کیجئے اور کہیئے کہ ہم صرف اسلام کی پیروی کریں گے۔

اعتراض "خلاصہ یہ کہ ہمیں اِس سے انکار نہیں کہ احادیث سے سُورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی ثابت ہے"۔ (حوالۂ مذکورہ)

جَواب موصوف ہمارے بہت قریب آگئے ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ سُورۂ فاتحہ پڑھنا واجب و فرض ہے انکار کی گنجائش نہیں۔

اعتراض ایک صاحب اعتراض کرتے ہیں مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں سلام پھیرنے کے موقع پر (وبرکاتہٗ) کے الفاظ ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کئے ہیں۔ لیکن ابوداؤد یا دوسری احادیث میں "وبرکاتہٗ" کے الفاظ نہیں ہیں۔ ابنِ الصلاح بھی یہی کہتے ہیں تو کیا یہ الفاظ مسعود احمد صاحب کی اپنی اختراع ہے؟

جواب "وبرکاتہٗ" کے الفاظ ابوداؤد کے کسی نسخہ میں ہیں اور کسی نسخہ میں نہیں ہیں۔ جس نسخہ میں آپ نے دیکھا ہو ہوسکتا ہے کہ اس نسخہ میں نہ ہوں۔ لیکن یہ الفاظ ثابت شدہ ہیں۔

ابنِ حجر عسقلانی کہتے ہیں:۔

وَقع فی صحیح ابن   حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی

حبان من حديث ابن مسعود وزيادة (وبركاته) وهى عند ابن ماجه ايضاً وهى عند ابى داؤد وايضاً فى حديث وائل بن حجر فيتعجب من ابن الصلاح حيث يقول ان هذه الزيادة ليست فى شئ من كتب الحديث (تلخيص ابن حجر جزء ا ص ۲۷۱)

حدیث جو صحیح ابن حبان میں ہے اس میں "وبرکاتہ" کی زیادتی موجود ہے۔ اسی طرح وائل بن حجرؓ کی حدیث میں، اسی طرح ابن ماجہ میں، اسی طرح ابوداؤد میں بھی یہ زیادتی موجود ہے۔ لیکن ابن صلاح کے اس قول پر جو انہوں نے کہا ہے کتبِ احادیث میں یہ زیادتی کی کوئی حقیقت نہیں حیرت ہو رہی ہے۔

مسعودؒ احمد صاحب کی یہ اختراع ہے اور نہ مسعودؒ احمد

صاحب سے آپ ایسی توقع رکھیئے، یہ زیادتی احادیث میں موجود ہے، نوٹ فرمالیجئے۔

اعتراض صلوٰۃ المسلمین میں نمازِ جنازہ کے سلسلے میں کہ تین صفیں بنائی جائیں۔ حدیث ضعیف لکھا ہے اور اس حدیث میں کوئی خرابی نہیں سوائے تدلیس کے اور تدلیس آپ حضرات مانتے نہیں تو اب یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہوئی؟

جواب جماعت المسلمین کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ ہم صلوٰۃ المسلمین میں کہ "یہ حدیث ضعیف ہے" اصلاح کردیں گے۔

اعتراض لدھیانوی صاحب کہتے ہیں: "ہمارے ہاں خطبہ کے احکام میں بتلایا جاتا ہے کہ جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے تو اس وقت

نہ نماز پڑھی جائے'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم صـ۱۸۷ جزء ۲)

جواب جب امام خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھ جائے یا خطبہ دے رہا ہو تو احادیث نماز پڑھنے کا حکم دیتی ہیں، لیکن احناف کے مدارس میں یہ سبق دیا جاتا ہے یہ ذہن سازی کی جاتی ہے کہ نماز نہ پڑھو۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ پڑھنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کرتے ہیں، تعجب ہے ؟

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:۔

فلیحذر الذین	ان لوگوں کو جو رسول (صلی اللہ
یخالفون عن امرہ	علیہ وسلم) کے قول وفعل کی مخالفت
ان تصیبھم فتنۃ	کرتے ہیں ڈرتے رہنا چاہیئے
اویصیبھم عذاب	ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ کسی فتنہ

اَلِیۡمٌ (سورہ نور) میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

احناف نے جن احادیث کی مخالفت کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :۔

جآء رجل والنّبی صَلی اللّٰہ علیہ وسلم یخطب النّاس یوم الجمعة فقال أصلیت یا فلان قال لا قال قم فارکع (صحیح بخاری صحیح مسلم)

ایک شخص آیا اس حال میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے جمعہ کے دن خطاب فرما رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے فلان تم نے نماز پڑھی ؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اُٹھو اور نماز پڑھو۔

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :۔

ان النبی صلّی اللّٰہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم خطب — خطاب فرما رہے تھے پھر
فقال اذا جاء — فرمایا جب تم میں سے
احدکم یوم الجمعۃ — کوئی جمعہ کے دن آئے
وقد خرج الامام — اور امام نکل آیا ہو (تو)
فلیصلّ رکعتین — اس کو چاہیئے کہ دو رکعت
(صحیح مسلم) — نماز پڑھے۔

(۳) حضرت ابوقتادہ رضؓ سے روایت ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضؓ کہتے ہیں :۔

دخلت المسجد و — میں مسجد میں داخل ہوا اس
رسول اللہ صلی اللہ — حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جالس — علیہ وسلم لوگوں کے درمیان
بین ظہرانی الناس — مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔
قال رسول اللہ صلی — کہتے ہیں : میں بھی بیٹھ گیا

الله عليه وسلم ما
منعك ان تركع ركعتين
قبل ان يجلس قال
فقلت يارسول الله
راتيك جالسا والناس
جلوس قال فاذا دخل
احدكم المسجد
فلا يجلس حتى يركع
ركعتين (صحیح مسلم،
کتاب الصلوٰۃ باب استحباب
تحیۃ المسجد ۱/۴۹۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: (اے ابوقتادہ) اس
سے قبل کہ تم بیٹھو کس چیز
نے تمہیں روکا کہ تم دو رکعت
نماز پڑھتے؟ کہتے ہیں: میں
نے کہا اے اللہ کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم میں نے
دیکھا آپ تشریف فرما ہیں
اور لوگ (بھی) بیٹھے ہوئے
ہیں (تو میں بھی بیٹھ گیا) آپ
نے فرمایا: جب تم میں سے
کوئی مسجد میں داخل ہو جب
تک وہ دو رکعت نہ پڑھ لے

نہ بیٹھے۔

اس حدیث کا جمعہ ہو یا جمعہ نہ ہو نماز پڑھنے کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

انہ اتى رسول الله صلى الله عليه وسلّم وهو يخطب فقعد فقال له هل ركعت فقال لا قال قم فاركع ركعتين (رواہ الطبرانی تلخیص ابن حجر ۲/۶۱، وسندہ صحیح) (وسکت علیہ الحافظ فتح الباری ۱/۵۳۸)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس حال میں کہ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ پھر ابوذرؓ بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھی؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اُٹھو اور نماز پڑھو۔

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

جآء رجل والنبی   ایک شخص آیا اور نبی صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم   علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے۔

یخطب فقال صلیت   پھر آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے

قال لا قال فصلّ   نماز پڑھی؟ کہا: نہیں آپؐ

رکعتین (رواہ ابن ماجہ   نے فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو۔

صحیح ابن ماجہ ۱/۱۸۴)

(۶) حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ دونوں

کہتے ہیں:-

جآء سلیک الغطفانی   سلیک غطفانی آئے اور

ورسول اللہ صلی اللہ   رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم یخطب   خطبہ دے رہے تھے۔ نبی

فقال له النبی صلی اللّٰہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
علیہ وسلم اصلیت	فرمایا: کیا تم نے دو رکعت
رکعتین قبل ان تجیٔ	نماز پڑھ لی، اس سے قبل
قال لا قال فصلّ	تم آتے؟ انہوں نے کہا:
رکعتین وتجوز فیہما۔	نہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔
(صحیح ابن ماجہ ۱/۱۸۴)	دو رکعت پڑھو اور ان دونوں
	کو ہلکا پڑھو۔

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:۔

جآء سلیک الغطفانی	سلیکؓ غطفانی آئے اور
ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم یخطب	خطبہ دے رہے تھے، علیہ
فقال له علیہ السلام	الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

اصلیت شیئاً قال لا قال صلّ رکعتین تجوز فیہا (المحلی ابن حزم ۵/۶۸، صحیح لغیرہ)

کیا تم نے کچھ نماز پڑھی؟ کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: دو رکعت پڑھو (اور) ان کو ہلکا پڑھو۔

(۸) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بھی اس قسم کی حدیث روایت کرتے ہیں (رواہ الترمذی ۲/۳۸۶)

حضرت جابر، حضرت ابو قتادہ، حضرت ابو ذر غفاریؓ حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سفیان اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہم، اتنے حضرات بیان کر رہے ہیں کہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے یا خطبہ کے لئے نکل آئے تھے ہر حال میں دو رکعت پڑھنے کا حکم صادر فرمایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز آئے تو بیٹھنے

سے پہلے دو رکعت پڑھے پھر بیٹھے، یہ حکم رسول صَلَّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے یا نہیں۔ آپؐ نے اس حکم پر کس طرح عمل کرایا اگر کوئی صحابی دورانِ خطبہ آکر بیٹھ گئے ہیں تو آپ خطبہ دینا چھوڑ دیتے ہیں اور اس بیٹھنے والے سے دُو (۲) رکعت پڑھواتے ہیں اور پھر خطبہ دینے لگتے ہیں۔

اِسی سُنّت کو زندہ کرنے کے لئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مروان کے سامنے نبرد آزما ہو گئے

ان اباسعید الخدری — حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ
دخل یوم الجمعة — عنہ جمعہ کے دن (مسجد) میں
ومروان یخطب — داخل ہوئے۔ اس حال میں
فقام یصلی فجاء الحرس — کہ مروان خطبہ دے رہے
لیجلسوه فابیٰ حتی صلی — تھے۔ ابو سعید کھڑے ہوئے
فلما انصرف اتیناه — نماز پڑھنے لگے۔ پاسبان

فقلنا رحمك الله ان
كادوا ليقعوا بك
فقال ما كنت لاتركها
بعد شيء رايته من
رسول الله صلى الله
عليه وسلم ثم ذكر
ان رجلاً جاء يوم
الجمعة فامره فصلى
ركعتين والنبي صلى الله
عليه وسلم يخطب
(رواه الترمذي ۲/۳۸۵
حديث حسن صحيح)

آئے تاکہ انہیں بٹھا دیں، ابو
سعید نہ مانے حتیٰ کہ نماز پڑھتے
رہے۔ پھر جب سلام پھیر دیا
ہم ان کے پاس آئے۔ پھر
ہم نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے
وہ لوگ قریب تھے کہ آپ پر
واقع ہو جاتے، حضرت ابو سعید
رضی اللہ عنہ نے کہا:۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا
ہے یہ چیز (دیکھنے) کے بعد
میں ان دو رکعتوں کو چھوڑنے
والا نہ تھا۔ پھر انہوں نے ایک
آدمی کا ذکر کیا جو پریشان حال

(مسجد) میں جمعہ کے روز داخل
ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم
جمعہ کے روز خطبہ دے رہے
تھے پھر آپ نے دو رکعت
پڑھنے کا حکم دیا اور نبی صلی اللہ
علیہ وسلّم خطبہ دے رہے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مُردہ سنّت
کو زندہ کیا مروان اور ان کے پاسبان کے درمیان نبرد آزما
ہو گئے اور بلا خوف و خطر ان دو رکعتوں کو پڑھا اور سنّت کی
پیروی کر کے تمام لوگوں کو بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ علّامہ ابنِ حزم
کہتے ہیں
فھذہ آثار متظاھرۃ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت

متواترة عن جماعة
من الصحابة رضي الله
عنهم باصح اسانيد
توجب العلم بامره
صلى الله عليه وسلم
من جاء يوم الجمعة
والامام يخطب بأن
يصلي ركعتين وصلاها
ابوسعيد مع النبي صلى
الله عليه وسلم وبعده
بحضرة الصحابة لا
يعرف له منهم مخالف
ولا عليه منكر الا شرط

سے یہ واضح متواتر صحیح ترین
روایات ہیں۔ جو شخص جمعہ کے
دن آئے اور امام خطبہ دے
رہا ہو یہ کہ وہ دو رکعت نماز
پڑھے اور ابوسعید نے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان
دونوں کو پڑھا اور آپ کے
بعد صحابہ کرام کی موجودگی میں
پڑھا (ان دو رکعتوں کا پڑھنا)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے
فرض ہو جاتا ہے مزید برآں
(یہ چیز بھی) واضح ہو جاتی ہے
کہ ابوسعید کے فعل کی نہ کسی نے

مروان الذین تکلموا بالباطل وعملوا الباطل فی الخطبة فاظهروا یدبه ورامو ماته سنة واطفاء حق ممن اعجب شأناً ممن یقتدی بهم ویدع الصحابة (المحلی ۵/۶۹)

مخالفت کی اور نہ انکار کیا سوائے مروان اور جن لوگوں نے دوران خطبہ باطل گفتگو کی اور باطل عمل کیا اور جنہوں نے بدعت کو ظاہر کیا اور بیہودہ علامت بن گئے۔ اس سے بڑھ کر تعجب کس پر ہوگا جو ان حضرات کی پیروی کرتا ہے اور صحابۂ کرام کو چھوڑ دیتا ہے)

ان دو رکعت کے سلسلہ میں علامہ ابن حزم کتنی عمدہ تشریح کر رہے ہیں اور اس مسئلہ میں صحیح طور پر اسلام کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ علامہ ابنِ حزم کا یہ قول احناف کیلئے تازیانہ ہے۔

اعتراض "حضرت خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک خطبہ کے دوران صلوٰۃ و کلام ممنوع ہے" (اختلاف امت و صراط مستقیم ص۱۲۸ جزء۲)

جواب خلفائے راشدین اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے دوران خطبہ "صلوٰۃ" کی ممانعت کی کوئی صحیح حدیث نہیں۔ ایسا کہنا دھوکا اور فریب ہے۔

"تابعین دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کو ممنوع سمجھتے تھے۔ اس کا حال ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) عطاءؒ کہتے ہیں :۔

انہم کرھوا الصلاۃ والامام یخطب یوم الجمعۃ (رواہ ابن ابی شیبۃ ۲/۲۰)	(تابعین) نماز کو برا سمجھتے تھے اس حال میں کہ امام جمعہ کے دن خطبہ دے رہا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھ لی ہے تو مزید نماز پڑھنا درست نہیں۔ یہ مطلب قرین اسلام ہے اور جو مطلب لدھیانوی صاحب لے رہے ہیں۔ وہ خلاف اسلام ہے اور تابعین پر ضرب لگتی ہے کہ خلاف سنت باتوں کی تعلیم دے رہے ہیں۔

(۲) محمد رحمٰن سرین کہتے ہیں:

اذا خرج الامام فلا یصلی احد حتی یفرغ الامام (حوالہ مذکور)	جب امام نکل آئے (تو جو نماز پہلے سے پڑھ رہا ہے) وہ نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے۔

اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا ہے یعنی جو دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد مزید نماز پڑھ رہا ہے وہ اب امام کے نکلنے کے بعد نہ پڑھے۔

(۳) عروہ کہتے ہیں:

اذا قعد الامام علی المنبر فلا صلاۃ	جب امام منبر پر بیٹھ جائے پھر کوئی نماز نہیں۔

(حوالہ مذکور)

اس قول کا مطلب بھی وہی جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

(۴) ثعلبہ بن ابی مالک قرظی کہتے ہیں:۔

ادرکت عمر و عثمان فکان الامام اذا خرج یوم الجمعۃ ترکنا الصلوٰۃ (حوالہ مذکور)	میں نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو پایا جب امام جمعہ کے دن نکل آتا تھا تو وہ نماز چھوڑ دیا کرتے تھے۔

یعنی وہ لوگ نماز پڑھتے رہا کرتے تھے جس میں دو رکعت بھی شامل ہوتی تھیں پھر جب امام نکل آتا تو وہ نماز

چھوڑ دیتے اور خطبہ سُننے کی تیاری کرتے۔

(۵) سعید بن مسیّب کہتے ہیں؛

خروج الامام یقطع الصلوٰۃ (رواہ ابن ابی شیبہ ۲/۲۱)	امام کا نکلنا مزید نماز کو روک دیتا ہے۔

(۶) عطاءؒ کہتے ہیں:-

عن ابن عبّاس وابن عمر انهما كانا يكرهان الصلوٰۃ والكلام بعد خروج الامام (حوالہ مذکور)	حضرت ابنِ عبّاس اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما امام کے نکلنے کے بعد نماز اور بات کرنے کو بُرا سمجھتے تھے۔

قطع نظر اِس بات کے کہ یہ آثار سنداً کیسے ہیں۔
ان آثار سے بھی یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ حضرات امام

صاحب کے آنے سے قبل نماز پڑھتے رہتے اور جب امام صاحب باہر تشریف لے آتے نماز چھوڑ کر خطبہ سُننے کی تیاری میں مشغول ہو جاتے، یہ چیز عین احادیث کے مُطابق ہے۔ ان آثار سے دوران خطبہ جو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں ان کی ممانعت پر دلیل لینا مضحکہ خیز ہے۔

خُلَفَاء رَاشِدِیْنؓ

قارئین کرام لدھیانوی صاحب نے خلفاء راشدین کے حوالے سے جو اس سلسلہ میں دلائل پیش کئے ہیں اب ذرا وہ ملاحظہ فرمایئے۔

اعتراض

لُدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں:۔
موطا امام مالک میں بروایت زہری حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

انهم کانوا فی زمن عمر بن الخطاب یصلّون — حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ جمعہ کے دن

يوم الجمعة حتّٰى يخرج
عمر بن الخطاب فاذا
خرج عمر وجلس
علٰى المنبر واذن
المؤذن قال ثعلبۃ
جلسنا نتحدّث فاذا
سكت المؤذنون وقام
عمر يخطب انصتنا
فلم يتكلم منا احدٌ ۔
قال ابن شهاب
فخروج الامام يقطع
الصلٰوة وكلامه يقطع
الكلام (اختلافِ امت ۶

نماز پڑھتے رہتے تھے۔ یہاں
تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ
تشریف لاتے۔ پس جب
حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف
لاکر منبر پر بیٹھ جاتے اور مؤذن
اذان کہتے تو ہم بیٹھے بیٹھے بات
کرلیا کرتے تھے پھر جب مؤذن
خاموش ہو جاتے اور حضرت
عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لئے
کھڑے ہو جاتے تو ہم خاموش
ہو جاتے۔ پس ہم سے کوئی
کلام نہ کرتا، ابن شہاب
فرماتے ہیں پس امام کا نکلنا

صراطِ مستقیم صفحہ ۱۹۴ جزء ۲) نماز کو اور اس کا کلام کرنا گفتگو کو بند کر دیتا ہے۔

جواب اس کا جواب ہم نے دیدیا ہے۔ جواب مذکورہ ملاحظہ فرمایئے، اسی طرح حضرت ثعلبہؓ بن مالک، حضرت سائبؓ بن یزید، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور جو دوسرے آثار پیش کئے ہیں ان کا مطلب وہی ہے جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

یہ حضرات اس شخص کو جس نے امام کے آنے سے پہلے نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ اُس وقت آتا ہے جب امام خطبہ دے رہا ہے دو رکعت نماز پڑھنے سے نہیں روکتے ہیں۔ یہ حضرات تو ان لوگوں کو منع کر رہے ہیں جو امام کے آنے سے پہلے نماز پڑھ رہے تھے، دو رکعت نماز بھی پڑھ چکے تھے اور مزید نماز پڑھنے کے خواہشمند تھے

ان کو روک رہے ہیں۔ دونوں مسئلوں میں تمیز کیجئے خلط ملط نہ کیجئے۔

کچھ احادیث ایسی بھی نقل کی ہیں جنکا غلط مطلب غلط تأثر لدھیانوی صاحب نے لوگوں کو دیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمایئے :

اعتراض | جناب یوسف لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آنحضرت کا یہ ارشاد مروی ہے :-

لایغتسل رجل یوم	جو شخص جمعہ کے دن غسل
الجمعۃ ویتطہر ما	کرے اور خوب صفائی کرے۔
استطاع من طہر	تیل لگائے اور گھر میں خوشبو
ویدھن من دھنہ	ہو تو وہ لگائے۔ پھر جمعہ
ویمس من طیب	کے لئے نکلے تو دو آدمیوں
بیتہ ثم	کے درمیان نہ بیٹھے، پھر جتنی

يخرج فلا يفرق	نماز اس کے لئے مقدر ہے
بين اثنين ثم يصلى	پڑھے۔ پھر جب امام خطبہ
ماكتب له ثم ينصت	شروع کرے تو خاموش
اذا تكلم الامام الا	رہے۔ تو ایسے شخص کے اس
غفرله مابينه وبين	جمعہ سے دُوسرے جمعہ تک
الجمعة الاخرى	کے تمام گناہ معاف ہو جاتے
(اختلافِ امت ص۱۹۱)	ہیں۔

جواب مندرجہ بالا احدیث میں بھی اس شخص کا ذکر ہے جو نماز پڑھ چکا ہے۔ مزید نماز پڑھنے کا خواہشمند ہے۔ جس شخص نے نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ دورانِ خطبہ آتا ہے اور وہ بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم دو۲ رکعت نماز پڑھتا ہے، یہ احادیث اس کی ممانعت پر دلیل نہیں ہونگی۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم کی احادیث کا مطلب ہے جو لدھیانوی صاحب نے نقل کی ہیں۔

مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان فی الجمعۃ لساعۃ لا یوافقھا مسلم قائم یصلی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)	جمعہ میں ایک گھڑی ہوتی ہے کوئی مسلم جو کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے موافقت نہیں کرتا۔

دوران خطبہ، امام کے نکلنے کے بعد اس شخص پر پابندی عائد ہوتی ہے کہ وہ مزید نماز نہ پڑھے۔ جیسا کہ ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو شخص پہلی ساعت میں آتا ہے، جو دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں ساعت میں آتا ہے اس کو اونٹ، گائے، بکری، مرغی اور انڈے

کا ثواب ملتا ہے۔ جو ان ساعتوں میں آتا ہے اور نماز پڑھتا ہے وہ مزید نماز نہ پڑھے بلکہ نماز چھوڑ کر امام کا خطبہ سُنے۔

اعتراض ان احادیث طیبہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کی حد خطبہ سے پہلے تک ارشاد فرمائی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص خطبہ شروع ہونے کے بعد نماز پڑھتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حد سے تجاوز کرتا ہے (اختلافِ امت۔ ص ۱۹۱ جزء ۲)

جواب جی ہاں خطبہ سے پہلے حدّ اس شخص کے لئے ہے جو امام کے نکلنے سے پہلے آگیا ہو اور نماز پڑھتا رہا ہو، اس پر مزید نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ یہ حد اس کے لئے ہے۔ یعنی وہ شخص جو امام کے آنے سے پہلے نماز پڑھ چکا ہے مزید نماز پڑھنا چاہتا ہے تو بے شک ایسا شخص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔

لیکن وہ شخص جو دورانِ خطبہ آتا ہے یا امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد آتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کرتا وہ حدِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تجاوز نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

نافرمان تو وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو قیاس آرائیاں کر کے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں، طرح طرح کی تاویلیں گھڑ رہے ہیں، اپنے مذہب کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی مخالفت کر رہے ہیں۔ قارئین کرام ذرا یوسف لدھیانوی صاحب کے بیانات پر غور کیجئے کیا متضاد نہیں ہیں؟ ایک طرف تو وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کا دم بھرتے ہیں اور دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی جڑیں کاٹتے ہیں ۔

اعتراض | دوم :- خطبہ سے پہلے نماز اور خطبہ کے دوران اِنصات، یعنی خاموش رہنا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران نماز پڑھنا سکوت کے منافی ہے، چونکہ اس حالت میں سکوت واجب ہے ۔ لہٰذا نماز اور کلام دونوں ممنوع ہوں گے ۔ (اختلافِ امّت اور صراطِ مستقیم صـ۱۹۲ جزء۲)

جواب | (۱) ''خطبہ سے پہلے نماز'' اس سلسلہ میں ہم بتا چکے ہیں. (۲) ''خطبہ کے دوران انصات یعنی خاموش رہنا''، جب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو یہ فرض کیوں نہیں ہے صرف واجب کیوں ہے ۔

(۳) "خطبہ کے دوران نماز پڑھنا سکوت کے منافی ہے"
اگر منافی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دوران خطبہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ جناب لدھیانوی صاحب یہ دینِ اسلام اللہ اور رسول کا مرہونِ منت ہے۔ جو کچھ اللہ اور رسول کہتے ہیں بس وہی دین ہے۔

اچھا بتائیے آپ کو کس نے اختیار دیا ہے کہ آپ دین اسلام میں مداخلت کریں، قیاس ارائیاں کرکے دینِ اسلام میں ردوبدل کریں آپ کو اور آپ کے فقہاء کو قطعاً زیب نہیں دیتا کہ وہ دینِ اسلام میں کسی قسم کی مداخلت کریں۔
(۴) دورانِ خطبہ دو آدمیوں کا آپس میں بات کرنا لغو حرکت ہے، تو کسی شخص کا دورانِ خطبہ نماز پڑھنا بھی اسی زمرے میں شامل ہوگا؟ ہرگز نہیں ہوگا۔ کہاں دو آدمیوں کا آپس میں باتیں کرنا اور کہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ لہٰذا ہرگز

سکوت کے منافی نہیں، دونوں کام الگ الگ ہیں دونوں کا محل الگ الگ ہے۔

اعتراض | تو تحیۃ المسجد میں مشغول ہونا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا، کیونکہ اس کا درجہ ایک مستحب کا ہے۔ دوسرے یہ کہ خاموش رہنے سے بڑھ کر مخلّ استماع ہے۔ (اختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم)

جواب | لدھیانوی صاحب کی عبارت سے درجِ ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) تحیۃ المسجد ناجائز ہے۔

(۲) تحیۃ المسجد مستحب ہے۔

قارئین کرام (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اور جناب موصوف حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناجائز کہتے ہیں یہ کتنی بڑی جرأت ہے

کتنی بڑی گستاخی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ناجائز کہنے والا مؤمن ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا شخص کیسے مؤمن ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اِنّما کان قول المؤمنین	جب اللہ اور اس کے رسول
اِذا دعوا الی اللہ ورسولہ	کی طرف مومنین کو بلایا جائے
لِیحکم بینھم ان یقولوا	تاکہ اللہ اور اس کا رسول
سمعنا واطعنا واولٓئک	ان کے درمیان فیصلہ
ھم المفلحون (نور ۵۱)	کر دیں تو مومنین کا قول
	صرف یہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے
	سن لیا اور ہم نے اطاعت
	کی تو ایسے ہی لوگ فلاح
	پانے والے ہیں۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا ہے اس حکم کو مستحب بنانے والے لدھیانوی صاحب کون ہوتے ہیں۔ کیا ان کے پاس اس حکم کو مستحب بنانے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ ہے؟ اور جب ان کے پاس اس حکم کو مستحب بنانے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے تو پھر حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے مستحب ہو گیا۔ لہٰذا تحیۃ المسجد سُنّتِ مؤکدہ ہے ضروری ہے، فرض ہے۔

مزید برآں موصوف نے جو اختلاف اُمّت اور صراطِ مستقیم کے ص۱۹۳، ۱۹۴ پر جو مثال پیش کی ہے وہ بھی مضحکہ خیز ہے۔ ہم ایسی مثالوں کا کیا جواب دیں، قارئینِ کرام خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس مثال کا اس واقعہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اعتراض | یہ تو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ قرآنِ کریم نے

خطبہ کے استماع وانصات کو فرض قرار دیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر ارشادات میں بھی اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ و تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) قرآن وسنّت کے انہی نصوص کے پیشِ نظر خطبہ کے دوران صلوٰۃ وکلام کے قائل نہیں تھے (اختلافِ امّت اور صراطِ مستقیم ص۱۹۷ جزء ۲)

جواب ہم بھی اوپر بتا چکے ہیں کہ دورانِ خطبہ کلام تو بے شک بروئے حدیث منع ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ نماز دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ بروئے حدیث کلام منع ہے اور بروئے حدیث دورانِ خطبہ نماز دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

صحابہ کرام اور تابعین کے سلسلہ میں ہم نے وضاحت پہلے کر دی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے اور دھوکا نہ کھائیے۔

اعتراض اور یہیں سے یہ حقیقت بھی واضح ہونی چاہیئے کہ خبر واحد کی اہمیت زیادہ ہے یا خلفاء راشدین اور حضرات صحابہؓ کے تعامل کی؟ یعنی جب خلفاء راشدین اور عام صحابہؓ کرام کا تعامل کسی خبرِ واحد کے خلاف ہو جیسا کہ ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں) تو خبر واحد کو واجب العمل قرار دیکر ان اکابر کو موردِ الزام ٹھہرایا جائے گا۔؟ یا ان اکابر کے تعامل کی روشنی میں خود خبرِ واحد کو لائقِ تاویل تصوّر کیا جائیگا" (حوالہ مذکورہ)

جواب جناب موصوف کا مندرجہ بالا بیان دھوکا و فریب ہے۔ جناب موصوف خبر واحد کی بحث چھیڑ کر عام لوگوں کو فریب دینا چاہتے ہیں یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ دورانِ خطبہ دو رکعت پڑھنے کا جو حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ حدیث صرف حضرت

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یعنی صرف ایک حدیث ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے ہم سابقہ اوراق میں بتا آئے ہیں کہ اس مسئلہ کو کتنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں یعنی تقریباً نو (۹) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات ہم پیش کر آئے ہیں۔

نام پھر ملاحظہ فرمالیجئے :۔

(۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

(۲) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۶) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ

(۷) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

(۸) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ (رواہ الترمذی ۲/۱۲۶)

(۹) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ

(رواہ الترمذی ۲/۱۲۹ و متفق علیہ)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو ان دو رکعتوں کی تبلیغ کرتے تھے۔ حضرت ابو قتادہؓ نے فرمایا:-

اعطوا المساجد حقها قيل له وما حقها؟ قال ركعتين قبل ان تجلس	(اے لوگو) مساجد کا حق ادا کرو ان سے کہا گیا اس کا حق کیا ہے؟ حضرت ابو قتادہؓ نے کہا اس سے قبل کہ تم بیٹھو دو رکعت نماز پڑھنا۔

(رواہ ابن ابی شیبۃ و فتح الباری ۱/۵۳۸ و سکت علیہ الحافظ)

ایک شخص جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوتا ہے اور

دو رکعت پڑھے بغیر بیٹھ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ پھر دوسرے جمعہ آیا اور دو رکعت پڑھے بغیر پھر بیٹھ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو پھر بلایا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ شخص پھر تیسرے جمعہ آیا اور دو رکعت پڑھے بغیر پھر بیٹھ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس شخص کو بلایا اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا اور پھر آپؐ نے صدقہ دینے کی ترغیب دینے لگے ..... (رواہ احمد ۳/۲۵ والنسائی فی الزکاۃ ۵/۶۳ واخرجہ النسائی فی الجمعہ والترمذی فی الجمعۃ ورواہ ابو یعلیٰ ۲/۲۷۹ واسنادہ حسن)

اتنی وضاحت سے ان دو رکعتوں کے بارے میں احادیث روایت کی گئی ہیں اور تقریباً ۹ (نو) صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں اور لدھیانوی

صاحب اس کو خبرِ واحد کہہ کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس کو ہم عدم تحقیق کہیں یا
دھوکا وفریب کہیں یا
مذہب پرستی نے جوان کے ذہن پر ملمّع چڑھا دیا ہے اس کا کرشمہ کہیں۔

خبرِ واحد کا جو اُصول لدھیانوی صاحب نے وضع کیا ہے یہ وضع کردہ اُصول احناف کو منظور ہے، ایسا تو نہیں کہ یہ وضع کردہ اُصول اُن کے اپنے مذہب کے خلاف پڑ رہا ہو اور اپنی بجا آوری کے لئے الزامی جواب دیکر اپنے خود ساختہ مذہب کو مضبوط کر رہے ہوں۔

اچھا تو درج ذیل مسئلہ پر غور فرمائیے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا فرض ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اس حدیث کو درج ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں :۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

(۳) عثمان رضی اللہ عنہ۔

(۴) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

(۵) حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزی رضی اللہ عنہ

(رواہ ابن ابی شیبۃ)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (فتح الباری ۲/۳۶۱)

(۷) حضرت عمار بن یسار رضی اللہ عنہ (کنز العمال فتح الباری)

(۸) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ (المحلی ۲/۱۰)

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (المحلی ۲/۱۰)

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

(کنز العمال ۸/۳۸۰ والمحلی وسندہ حسن)

(۱۱) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (المحلی ۲/۹)

(۱۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ

(رواہ الترمذی ۲/۳۶۴ وسندہ صحیح)

(۱۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما

(رواہ الترمذی)

(۱۴) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہما (حوالہ مذکور)

(۱۵) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما

(کنز العمال ۸/۳۸۰ وسندہ صحیح ولہ شو. اہد)

قارئین کرام ۱۵ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس حدیث کو روایت کررہے ہیں کہ غسل جمعہ فرض ہے، واجب ہے چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ سُنّتِ مؤکدہ ہے۔ مگر احناف نے ان احادیث کے خلاف صرف خبرِ واحد پیش کرکے ان تمام

احادیث کا انکار کر دیا یعنی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث لاکر ان تمام احادیث کا جو غسلِ جمعہ کے سلسلہ میں ہیں جو صحیح ترین اسناد سے مروی ہیں یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جمعہ کا غسل نفل ہے۔ حضرت سمرہؓ والی حدیث کی پوری معلومات تحقیق صلوٰۃ ص۱۶۹تا۱۷۰ پر دیکھئے۔

جناب لدھیانوی صاحب آپ نے اپنے وضع کردہ اصول کی پابندی کہاں کی، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ آپ اپنے وضع کردہ اصول کے مطابق خبرِ واحد کو چھوڑ دیتے اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی مرفوع صحیح احادیث پر عمل کرتے، جیسا کہ آپ نے تحیۃ المسجد کا انکار کر دیا کہ دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کی حدیث صرف ایک ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، ہم نے متعدد احادیث پیش کر دی ہیں۔ وہاں بھی آپ نے دھوکا وفریب سے کام

لیا اور یہاں بھی آپ نے دھوکا اور فریب سے کام لیا۔
یہاں آپ نے خبرِ واحد کو واجب العمل قرار دے کر
جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کی مخالفت نہیں کی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

جناب لدھیانوی صاحب آپ کو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا پاس ہے اور نہ صحابۂ کرامؓ کے
مرتبہ کا، آپ کو اگر کسی چیز کا پاس ہے تو وہ بس اپنے
مذہب کا۔

اعتراض

لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں:۔
"ان اکابر نے سلیک غطفانیؓ کی روایت
کو جو معمول بہا نہیں سمجھا ہمارے نزدیک اس کی بلا
تکلّف دو جہتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حضرات جانتے
تھے کہ سلیکؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں

پڑھنے کا جو حکم فرمایا ہے، یہ عام حکم نہیں بلکہ یہ صرف انہی کے لئے ایک خصوصی واستثنائی حکم ہے"۔

(اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم ص۱۹۸ جزء ۲)

جواب اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کے دور میں دو رکعت پڑھنے کا حکم ان کے لئے خاص ہے کہیں نہیں کہا لدھیانوی صاحب تاویل کر کے دھوکا دے رہے ہیں۔ عام اور خاص کی بحث میں لوگوں کو پھنسا کر اپنے مذہب کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ چلئے ہم لدھیانوی صاحب کی بات ٹھیک مان لیتے ہیں کہ یہ حکم سلیک غطفانی رضؓ کے لئے خاص ہے مگر درج ذیل حدیث تو عام حکم دے رہی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:۔

جاء سليك الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب فجلس فقال له ياسليك قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما ثم قال اذا جاء احدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين (صحیح مسلم ۲/۵۹۷)

سلیک غطفانیؓ جمعہ کے دن آئے اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے وہ آکر بیٹھ گئے آپ نے ان سے فرمایا اے سلیک اُٹھو اور دو رکعت پڑھو (اور آپ نے عام حکم دیتے ہوئے) فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو آنے والے کو چاہیئے کہ دو رکعت پڑھے۔

"اذا جاء احدکم" یہ جملہ عام حکم پر دلالت کرتا ہے۔
پھر حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت مروان کا واقعہ اس
پر دلیل ہے، حضرت ابو سعیدؓ کا یہ عمل کسی خاص طریقہ پر
دلالت نہیں کرتا ہے۔

ایک جمعہ کو آکر بیٹھ جانا۔ پھر دوسرے جمعہ کو آکر بیٹھ
جانا پھر تیسرے جمعہ کو آکر بیٹھ جانا اور آپ کا بار بار دو رکعت
پڑھنے کا حکم دینا خاص پر دلالت کرتا ہے؟ ہرگز نہیں کرتا۔

جناب موصوف کا مندرجہ بالا احادیث سے جمعہ کے
دوران دو رکعت نہ پڑھنے پر استدلال کرنا مضحکہ خیز ہے۔
ان کے مقلدین ان استدلال کو تسلیم کریں تو کریں مگر
محققین ان دلائل کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ
محققین جانتے ہیں کہ کسی عام حکم کو خاص کرنے کے لئے
قرینہ صارفہ چاہیئے اور وہ ہے نہیں تو پھر وہ عمل کیسے خاص ہو گیا۔

کسی عام حکم کو خاص کرنا ہو تو درج ذیل حدیث دیکھئے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :۔

عیدالاضحیٰ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید کے بعد خطاب فرمایا، آپ نے فرمایا جس نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہماری طرح قربانی کی وہ ہماری سنّت کو پہنچ گیا اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی تو وہ گوشت کی بکری ہے۔ قربانی میں سے کچھ نہیں۔ ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے کہا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی قربانی نمازِ عید سے پہلے ذبح کرلی میں یہ سمجھا کہ یہ کھانے اور پینے کا دن ہے۔ اور میں نے چاہا کہ سب سے پہلے گھر میں قربانی میری ہو۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ایک بھیڑ کا بچّہ ہے وہ مجھے دو بکریوں سے زیادہ محبوب

ہے۔ تو کیا وہ مجھے کافی ہو جائے گا۔؟ آپ نے فرمایا
ہاں، وَلَنْ تجزیَ عن احدٍ بعدکَ
(صحیح بخاری وصحیح مسلم) یعنی تمہارے بعد کسی
اور کے لئے کافی نہ ہوگا۔

"وَلَنْ تَجْزِیَ عَنْ احدٍ بعدکَ" یہ
الفاظ اس مسئلہ کو خاص کر رہے ہیں۔ اب کوئی اور
آدمی بکری کا بچہ ذبح کر کے قربانی کے فرض سے آزاد
نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جب ایسے خاص کرنیوالے الفاظ
حضرت سلیکؓ غطفانی والی حدیث میں نہیں ہیں، تو
حضرت سلیکؓ غطفانی والی حدیث عام ہوتی اس
کو آپ نے کیسے خاص کر دیا۔

اعتراض

دوم: یہ کہ ان حضرات کو معلوم تھا
اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے خطبہ کے دوران صلوٰۃ وکلام سے ممانعت فرمائی ہے اس لئے اب اس کا جواز باقی نہیں رہا۔"

(اختلافِ اُمّت صـ۱۹۸)

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ نماز دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا ہے اور کلام کرنے سے منع فرمایا ہے، بحث کے لئے سابقہ اوراق دیکھئے۔

اعتراض پہلی توجیہہ، یعنی یہ کہ اس واقعہ کو خصوصیت پر محمول کیا جائے اس کے قرائن مندرجہ ذیل ہیں:۔

(الف) خصوصیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ متعدد ایسے واقعات پیش آئے کہ انکی حاضری خطبہ کے دوران ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو دوگانہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

مثلاً:۔ صحیح بخاری ص۱۲۷ ج ۱ (باب الاستسقاء فی المسجد الجامع) میں ان صاحب کا واقعہ مذکور ہے جنہوں نے خطبہ کے دوران آتے ہی بارش کی دعا کی درخواست کی تھی، آپ نے اُسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

جواب (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ" (صحیح مسلم ۱/۴۹۵)

یعنی جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ دو رکعت پڑھے اس سے قبل کہ وہ بیٹھے۔

کیا جناب موصوف یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ دیہاتی آکر بیٹھ گئے تھے اور جب وہ بیٹھے نہیں تھے تو وہ دو

رکعت کیوں پڑھتے اس لئے کہ حدیث میں بیٹھنے والے پر
دو رکعت پڑھنا فرض ہے۔

(۲) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ آپ کے حکم دینے
سے پہلے کا ہو؟

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی آیا ہو۔ پھر اس
نے آپ سے درخواست کی ہو اور پھر دو رکعت پڑھکر بیٹھ گیا ہو۔

عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ علاوہ بریں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری احادیث میں تو حکم
دیا ہے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھو اگر اس حدیث میں
ذکر نہیں ہے تو کیا ہوا۔

ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضوء
کا طریقہ بیان کیا۔ لیکن وضوء کرنے کے بعد جو دعاء پڑھی

جاتی ہے بیان نہیں کی۔ تمام روایات پڑھ جائیے، کہیں آپ
کو دعاء کا ثبوت نہیں ملے گا تو کیا وضوء کرنے کے بعد دعاء
نہ پڑھیں؟ پڑھیں گے اور ضرور پڑھیں گے۔ کیونکہ دوسری
حدیث میں وضوء کرنے کے بعد دعاء پڑھنے کا ثبوت مل جاتا
ہے۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحیح مسلم میں بیان
کرتے ہیں۔ اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عثمانؓ
نے دعاء وضو کرنے کے بعد نہیں بتائی تو دعا نہیں ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر سے عدم شئے
لازم نہیں آتا۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت
کرتی ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو کوئی طریقہ بھی آپ کو کسی بھی
حدیث میں مکمل نہیں ملے گا اور پریشان ہو کر بیٹھ جائیں گے۔

مزید برآں ہم نے جو توجیہات پیش کی ہیں وہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانات کے موافق ہیں۔ ایسی

توجیہات پیش نہیں کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانات کے خلاف ہوں۔ جیسا کہ جناب موصوف نے توجیہات کی ہیں کہ اسلامی مسائل کو خلط ملط کر کے اپنے مذہب کو منوانا چاہتے ہیں۔

اعتراض (۲) "پھر اسی روایت میں اس شخص کے آئندہ جمعہ آنے کا ذکر ہے، اس موقعہ پر بھی آپ نے یہ حکم نہیں دیا۔"

جواب (۲) عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا، دوسری احادیث میں یہ ذکر مل جاتا ہے۔

اعتراض (۳) ابو داؤد ص ۱۵۶ ج ۱ (باب الامام یکلم الرجل فی خطبتہ) میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے دوران فرمایا "بیٹھ جاؤ۔" حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ابھی مسجد کے دروازے کے باہر تھے کہ ارشاد گرامی سُن کر وہیں بیٹھ گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ان پر پڑی تو ان سے فرمایا: "ابن مسعودؓ اندر آجاؤ" مگر ان کو دو رکعت پڑھنے کا حکم نہیں فرمایا۔

(اختلافِ اُمّت)

جواب (۳) ابوداؤد کی یہ روایت مُرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(التعلیقات الالبانی علی المشکوٰۃ ۱/ ۴۴۵)

امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں۔

هٰذَا يُعْرَفُ مرسل اِنَّمَا	یہ مشہور مرسل روایت ہے۔
رواه النَّاس عن عطاءً	اس لئے کہ لوگوں نے عطاء
عن النَّبِی صَلّی اللہ	سے اور عطائؒ نے نبی صلی اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُخلد	علیہ وسلم سے روایت کیا

شیلخ (ابُوداؤد ۲۸۶/۱) مخلد شیخ ہے۔

لہٰذا یہ واقعہ ہی ضعیف ہے مزید بات کیا کی جائے۔ بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ جناب موصوف یوسف صاحب نے خاموشی سے ضعیف مرسل روایت پیش کر کے لوگوں کو فریب دیا ہے۔

اعتراض (۴) ابوداؤد ص۱۵۹ ج ۱، اور نسائی ص۲۰۷، ج ۱، میں اس شخص کا واقعہ مذکور ہے جو خطبہ کے دوران لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آرہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "اِجلس فقد آذیت۔ بیٹھ جا! تو نے ایذا دی ہے"۔ اور اسے دو رکعتوں کا حکم نہیں دیا۔ (اختلاف امت ص)

جواب (۴) مندرجہ بالا حدیث صحیح ہے لیکن

اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں ہے گویا دُوسری احادیث میں ذِکر مل جاتا ہے۔ ابوداوُد کی درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمایئے :۔

حضرت ابوسعد خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعۃ ولبس من احسن ثیابہ ومسّ من طیب ان کان عندہ ثم اتی الجمعۃ فلم یتخطا اعناق النّاس ثم انصت اذا خرج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔ جس شخص نے جمعہ کے دن غُسل کیا اور اپنے کپڑوں میں سے بہترین (کپڑے) پہنے اگر میسّر ہو تو خوشبو لگائی۔ پھر جمعہ کے لئے آیا اور لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگیں

امامه حتى يفرغ من صلاته كانت كفارة لما بينها وبين جمعة التي قبلها (رواه ابوداؤد واحمد ۲/۸۱ ورواه الحاکم ۱/۲۸۳ صححه هو والذهبی

پھر جو نماز اللہ نے اس کے لئے مقدر کر دی تھی پڑھی پھر وہ خاموش بیٹھا رہا جب امام نکل آیا حتیٰ کہ اپنی نماز سے فارغ ہو گیا۔ تو وہ جمعہ جو اس سے پہلے تھا اور اس جمعہ کے درمیان جو (خطائیں ہوئیں) وہ کفارہ ہو جاتی ہیں، وہ معاف ہو جاتی ہیں۔

اس حدیث میں موجود ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن آتا ہے اور لوگوں کی گردنیں نہیں پھلانگتا اور نماز پڑھتا ہے۔ لہٰذا عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ جب

وہ آدمی پہلے ہی سے نماز پڑھ رہا ہے تو آپ اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیتے۔ دو رکعت اس شخص کے لئے ہیں جس نے نماز پڑھی ہی نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

من صلی بردتین دخل الجنّة (صحیح بخاری) جس نے دو ٹھنڈی نمازیں پڑھیں وہ جنّت میں گیا۔

تو کیا کوئی شخص دو وقت کی نماز پڑھ کر جنّت میں چلا جائے گا؟ وہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث میں دو وقت کی نماز کا ذکر ہے اور یہ حدیث بھی پوری ہے تو میں پانچ وقت نماز کیوں پڑھوں جب مجھے دو وقت نماز پڑھنے سے جنّت مل رہی ہے۔ لہٰذا ایسی متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اس حدیث کا جواب یہی ہوگا کہ اگر اس حدیث میں دو وقت کی نماز کا ذکر ہے تو دوسری احادیث

میں پانچ وقت نماز پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔

الغرض یوسف لدھیانوی صاحب کو زبردست غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے اُن مجمل احادیث سے اس قسم کے استدلال کئے اور اس قسم کی توجیہات پیش کیں جن سے مسائل میں تضاد اور الجھاؤ پیدا ہو جائے۔ بہر حال وہ تمام توجیہات کالعدم ہو گئیں اور یہ بات وضاحت سے معلوم ہو گئی کہ سلیک غطفانی والی حدیث خاص نہیں بلکہ عام ہے اور نمازی کو اس پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو گی۔

اعتراض لدھیانوی صاحب کہتے ہیں:۔
روایات اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کے بیٹھ

جانے کے بعد انہیں دو رکعتیں پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ حالانکہ بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسجد ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص مسجد میں بیٹھا ہو اس کے لئے خطبہ کے دوران نوافل پڑھنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ پس اگر یہ خصوصی و استثنائی حکم نہ ہوتا تو ان کے بیٹھ جانے کے بعد (اور وہ بھی خطبہ کے دوران) انہیں نوافل پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ (اختلاف امت و صراطِ مستقیم)

جواب مندرجہ بالا بیان سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں:۔

(۱) آپ نے حضرت سلیک رضؓ کو بیٹھ جانے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

(۲) بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسجد ساقط ہو

جاتی ہے۔

(۳) بیٹھے ہوئے شخص کے لئے مسجد میں نوافل کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

(۴) یہ حکم خصوصی اور استثنائی ہے۔

جوابات سُنیئے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت سلیکؓ رضی اللہ عنہ کو بیٹھ جانے کے بعد ہی دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا تو اس میں اعتراض کی کونسی بات ہے۔ اللہ اور اس کا رسول جو چاہیں حکم دیں۔ آپ کون ہوتے ہیں دینِ اسلام میں دخل دینے والے۔

دینِ اسلام میں دخل دینا اور دینِ اسلام کے مسائل میں نکتہ چینی کرنا کُفر کی علامت ہے۔

(۲) مسجد میں بیٹھ جانے کے بعد تحیۃ المسجد ساقط

ہو جاتی ہے یہ مسئلہ کسی آیت یا حدیث سے اخذ ہے؟ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیٹھ جانے کے بعد ہی دو رکعت پڑھنے کا حکم فرما رہے ہیں اور لدھیانوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ دُو[۲] رکعت ساقط ہو جاتی ہیں۔ اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بات تسلیم کریں یا یوسف لدھیانوی صاحب کی۔؟

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی تسلیم کی جائے گی اور کسی غیر نبیؑ کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ اسلام میں نبیؑ کی بات حجّت ہوتی ہے، غیر نبیؑ کی بات حجّت نہیں ہوتی۔ اب جو شخص اسلام میں مداخلت کرے، اپنی بات کو اسلام میں شامل کرے تو وہ گویا کہ نبیؑ بننے کی کوشش کر رہا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک تو جائز ہے بلکہ فرض

ہے۔ البتہ آپ کے نزدیک اور احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ بعد اذاں آپ اپنا یہ گمراہ کُن عقیدہ دوسرے لوگوں پر کیوں ڈال رہے ہیں؟

(۴) یہ حکم خصوصی ہے یا مُستثنیٰ۔ سابقہ اوراق ملاحظہ فرمایئے۔

اعتراض "پھر روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی منبر پر تشریف فرما ہوئے تھے کہ سُلیکؓ آکر بیٹھ گئے، گویا ان سے گفتگو خطبہ کے دوران نہیں بلکہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہوئی چنانچہ صحیح مسلم ص۲۸۷ ج ۱، میں ہے"

(اختلاف اُمّت)

جواب لدھیانوی صاحب کا یہ بیان بھی غلط اور عدم تحقیق کا نتیجہ ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ ہی بات کی اور دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:۔

جاء سليكٌ الغطفاني يوم الجمعة ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب فجلس فقال له يا سليك قم فاركع ركعتين وتجوز فيهما (صحیح مسلم ۲/۵۹۷)	حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرما رہے تھے۔ وہ آکر بیٹھ گئے آپؐ نے ان سے فرمایا: اے سلیک اٹھو اور دو رکعت پڑھو اور ان دونوں کو ہلکا پڑھو۔

قارئینِ کرام حدیث آپ کے سامنے ہے معلوم نہیں

یوسف صاحب نے کونسی صحیح مسلم کا حوالہ دے کر لوگوں کو فریب دیا ہے۔

اعتراض نیز یہ بھی آتا ہے کہ سلیکؓ جب تک دوگانہ سے فارغ نہیں ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ شروع نہیں فرمایا۔ چنانچہ دار قطنی ص۱۶۹ کی روایت میں ہے:۔

فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قم فارکع رکعتین وامسك عن خطبة حتی فرغ من صلوٰة (اختلاف امت و صراطِ مستقیم ص۲۰)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اٹھو: دو رکعتیں پڑھو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے رُکے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی نماز سے فارغ ہوئے۔

" امام دار قطنیؒ اس روایت کو مسند اور مرسل

دونوں طرح روایت کر کے لکھتے ہیں کہ مرسل صحیح ہے مرسل روایت جب صحیح ہو تو عام اہلِ علم کے نزدیک حجت ہے۔ اور اگر اس کے طرق متعدد ہوں یا اسکی مؤید کوئی اور روایت موجود ہو تو تمام اہلِ علم کے نزدیک حجت ہے۔ یہاں یہی آخری صورت ہے۔" (اختلافِ امت)

جواب مندرجہ بالا حدیث جو دارقطنی کے حوالہ سے نقل کی ہے جو حضرت انس رضؓ سے مروی ہے۔ ضعیف ہے (فتح الباری ۴۹/۲ وضعفہ)

امام دارقطنی یہ بتا رہے ہیں کہ مرفوع ہونا تو ثابت نہیں ہے البتہ مرسل ہونا صحیح ہے۔ مرسل کے بارے میں امام ابن حجر کہتے ہیں:-

ان الصواب انه من رواية سليمان التيمي مرسلا

سلیمان التیمی کی روایت مرسل یا معضل ہے۔

او معضلا (۴۰۹/۲
فتح الباری)

قارئین کرام معضل روایت ضعیف ہوتی ہے ۔
مرسل روایت بھی حجّت نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ صحیح مرفوع احادیث کے خلاف بھی ہو۔

درج ذیل بحث سے معلوم ہو جائے گا کہ مرسل حدیث جبکہ وہ صحیح مرفوع حدیث کے خلاف ہو حجّت نہیں ہوتی۔

اس سلسلہ کی ایک اور مرسل روایت ہے وہ بھی ضعیف ہے۔

محمّد بن قیس کہتے ہیں :۔

ان النبی صَلی اللہ عَلیہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
وَسلّم حین امرہ ان	جس وقت ان کو حکم دیا
یصلی رکعتین امسك	کہ وہ دو رکعت نماز

عن الخطبة حتى فرغ من ركعتيه ثم عاد الى خطبته۔ هذا مرسل لا تقوم به الحجة وابو معشر اسمه نجيح وهو ضعيف (رواه الدارقطني، التعليق المغني جزء ۲، ص ۱۶)

پڑھیں آپ خطبہ سے رُک گئے یہاں تک کہ وہ دو رکعت سے فارغ ہو گئے۔ پھر آپ خطبہ کی طرف لوٹے۔ یہ مرسل ہے۔ مرسل سے حجت قائم نہیں ہوتی ہے اور ابو معشر جس کا نام نجیح ہے۔ ضعیف ہے۔

مزید براں:۔

هذه الزيادة معارضة لقول النبي صلى الله عليه وسلم: اذا جاء احدكم والامام يخطب او قد

یہ زیادتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے متعارض ہے یعنی جب تم میں سے کوئی آئے اور امام (جمعہ

خرج فليصل ركعتين وهذا حديث جيد الاسناد متفق على صحته المروي في الصحاح، ومعارضه ليس مما تقوم به الحجة لضعفه ولارساله فكيف يترك العمل به بل ترد هذه الزيادة (رواه الدارقطني، التعليق المغني جزء ۲ ص۱۷)

کے دن) خطبہ دے رہا ہو یا امام نکل آیا ہو تو اس کو چاہیئے کہ دو رکعت پڑھ لے (وہ زیادتی اس فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارض ہے) وہ حدیث بہت عمدہ سند سے آئی ہے۔ اس کی صحت پر تمام کا اتفاق ہے۔ صحاح میں یہ مروی ہے۔ وہ معارض اس سے جس کے ضعف اور ارسال کی وجہ سے حجت

قائم نہیں ہو سکی تو پھر
بتائیے اس کی بنیاد پر عمل
کیسے چھوڑا جا سکتا ہے بلکہ
اس زیادتی کو رد کر دیا جائیگا

وضاحت | "واسك عن خطبته حتى فرغ من صلاته" ۲ مسك عن خطبته حتى فرغ من ركعتيه ثم عاد الى خطبته" قارئین کرام یہ زیادتی قبول نہیں کی جائیگی۔

اعتراض | لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں :- اس روایت کے راوی کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے مگر یہ روایت اوپر کی مرسل صحیح کو مزید تائید فراہم کرتی ہے۔ (اختلاف امت ص۳۰)

جواب | ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ مرسل روایت معضل،

روایت ضعیف ہوتی ہے تو ضعیف روایت ضعیف کو تائید فراہم کیسے کر سکتی ہے ؟

لدھیانوی صاحب نے حضرت سلیک غطفانی رضؓ کے سلسلہ میں جتنی بھی توجیہات پیش کی ہیں ان میں دھوکا، فریب، اعادہ عبارت خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ رضؓ کا نام بار بار لیکر لوگوں پر یہ تأثر ڈالا ہے کہ ہم خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ رضؓ کے بڑے ماننے والے ہیں حالانکہ یہ فریب ہے۔ ہم جواب سابقہ اوراق میں دے آئے ہیں۔ وہاں دیکھئے کہ یہ کتنے ماننے والے ہیں۔

اعتراض لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں:۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مطہرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ دورِ نبوی ؐ میں جمعہ صرف

شہروں میں ہوتا تھا۔ دیہاتی آبادیوں میں نہیں۔"

(اختلافِ امت ص۲۰۵ جزء۲)

جواب مندرجہ بالا عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں :۔

(۱) عہدِ رسالت میں شہروں میں جمعہ ہوتا تھا۔

(۲) دیہاتی آبادیوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔

(۱) کے سلسلہ میں ہمیں کچھ نہیں کہنا:

ہم صرف (۲) کے سلسلہ میں بات کریں گے۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

ان اوّل جمعة جمّعت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ
بعد جمعة فی مسجد	وسلم کی مسجد میں جمعہ ہونے
رسول اللہ صلی اللہ	کے بعد سب سے پہلے جو

علیہ وسلم۔ فی مسجد	جمعہ پڑھا گیا وہ عبدالقیس
عبدالقیس بجواثی	کی مسجد میں بجواثا بحرین
من البحرین (فتح الباری	کے مقام پر پڑھا گیا۔
شرح صحیح بخاری ۲/۳۷۹)	یعنی بحرین کی ایک
یعنی قریۃ من البحرین	بستی میں۔
(فتح الباری ۸/۸۶)	

سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد نبویؐ میں جمعہ ہوا پھر عبدالقیس کی مسجد میں جمعہ ہوا جو ایک بستی تھی شہر نہیں تھا۔

(۲) حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:۔

کنت قائد ابی حین	جس وقت میرے والد کی بینائی
ذھب بصرہ فکنت	چلی گئی میں ان کی قیادت

اذا خرجت به إلى	کرتا تھا تو جب میں ان کو
الجمعة فسمع الاذان	لیکر جمعہ کے لئے نکلا کرتا
استغفر لابی امامة	تھا۔ پھر وہ (جمعہ کی) اذان
اسعد بن زراة ودعاله	سنتے تو اسعد بن زراہ
فمكثت حينًا اسمع	کے لئے بخشش طلب
ذلك منه ثم قلت	کرتے اور ان کے لئے
فی نفسی والله انّ ذا	دُعاء کرتے۔ میں کافی
لعجزانی اسمعه كلّما	دن تک ایسا سُنتا
سمع اذان الجمعة	رہا پھر میں نے اپنے
ليستغفر لابی امامة	آپ سے کہا اللہ کی قسم
ويصلی عليه ولا اسأله	یہ بے بس ہو گئے ہیں۔
عن ذالك لم هو؟	جب کبھی یہ جمعہ کی اذان
فخرجت به كما كُنت	سنتے ہیں تو ابو امامہؓ کیلئے

اخرج به الى الجمعة	مغفرت طلب کرتے ہیں اور
فلما سمع الاذان	ان پر رحمتیں بھیجتے رہتے
استغفر كما كان	ہیں میں ان سے سُنتا رہتا
يفعل فقلتُ له يا	ہوں اور میں نے کبھی ان سے
ابتاه أرأيتك	اس سلسلہ میں سوال نہیں
صلاتك على سعد	کیا وہ کیوں ایسا کرتے ہیں؟
زرارة كلما سمعت	پھر میں ان کو لیکر جمعہ کے لئے
النداء بالجمعة	نکلا، جیسے میں نکلا کرتا تھا۔
لم هو؟ قال! اى	پھر جب انہوں نے اذان سُنی
بنىَّ كان اوّل من	تو مغفرت کی جیسے وہ (مغفرت)
صلى بنا صلاة	کرتے تھے میں نے ان سے کہا
الجمعة قبل مقدم	اے میرے والد جب کبھی آپ
رسول الله صلى الله	جمعہ کی اذان سُنتے ہیں تو

علیه وسلم من مکة
فی نقیع الخضمات فی
هزم من حرّة بنی بیاضة
قلت کم کنتم یومئذ؟
قال اربعین رجلاً
(رواه ابن ماجه وابوداود و
ابن حبان وغیرهما حدیث
عبدالرحمن بن کعب بن مالک
ان اباه .... واسناده حسن
تلخیص ابن حجر جزء ۲ ص ۵۶
وفتح الباری ۲/۳۵۵ وسنده
صحیح) (ورواه البیہقی ۳/۱۷۶
وسنده صحیح)

اسعد بن زرارہ پر رحمت
ضرور بھیجتے ہیں آپ مجھے
بتائیے ایسا کیوں کرتے
ہیں؟ حضرت کعب
بن مالکؓ نے کہا
اے میرے بیٹے سب
سے پہلے جمعہ کی نماز
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم کے مکّہ سے تشریف
لانے سے پہلے ہزم حرّہ
بنو بیاضہ (مدینہ منوّرہ)
کی ایک بستی میں اسعد
بن زرّاہ نے ہمیں جمعہ

کی نماز پڑھائی تھی میں اس
لئے ان پر رحمت اور دُعا
کرتا ہوں۔ میں نے کہا:
آپ اس وقت کتنے آدمی
تھے؟ انہوں نے کہا چالیس۔

قارئینِ کرام اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکّہ آمد سے پہلے مسلمین ایک بستی یا قریہ یا ایک دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے اور چالیس کا عدد مزید اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک بستی اور گاؤں تھا۔ پھر ان احادیث کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہی حکم دیتے تھے کہ تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ قائم کرو۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:-

جمّعوا حيث ما كنتم (كنز العمال ۸/۶۹ و فتح الباری ۲/۳۸۰ و سکت علیہ الحافظ) (صحیح ابن خزیمہ نیل الاوطار ۴/۱۶۲)

جہاں بھی ہو تم جمعہ قائم کرو

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:-

انهم كتبوا إلى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب جمعوا حيث كنتم (رواه ابن ابي شيبة و فتح الباری ۲/۳۸۰ و سندہ صحیح)

انہوں نے حضرت عمرؓ کو (خط) لکھا (اور) وہ جمعہ کے بارے میں معلوم کر رہے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے (خط) لکھا کہ جہاں کہیں بھی تم ہو جمعہ قائم کرو۔

(٥) نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :۔

كان ابن عمر يرى اهل المياه بين مكة والمدينة يجمّعون فلا يعيب عليهم (رواه عبد الرزاق في مصنّفه ٣/١٧٠ و فتح الباري ٢/٣٨٠ وسنده صحيح)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور مدینہ کے اہل کنویں والوں پر یعنی کسانوں پر جو جمعہ (قائم) کرتے تھے کسی قسم کا عیب لگاتے تھے اور نہ حرج سمجھتے تھے۔

(٦) ولید بن مسلم نے لیث بن سعد سے معلوم کیا۔ (کہ گاؤں اور بستی والے بھی جمعہ قائم کر سکتے ہیں؟ لیث بن سعد نے کہا :۔

كل مدينة او قرية فيها جماعة وعليهم

ہر شہر یا بستی جس میں جماعت ہو اور جن پر امیر ہو وہ ان

امیرا امروا الجمعة فلیجمع بهم فان اهل الاسکندریة ومدائن مصر ومدائن سواحلها کانوا یجمّعون الجمعة علی عهد عمر بن الخطاب وعثمان بن عفّان رضی الله عنهما بامرهما وفیها رجال من الصحابة (رواه البیهقی ۳/۱۷۸۔ و فتح الباری و سکت علیه الحافظ) (نیل الاوطار ۳/۱۶۲)

کو جمعہ کا حکم دیتے ہوں تو پھر ان کو چاہیئے وہ ان کو جمعہ کرائیں۔ کیونکہ اہلِ اسکندریہ، شہر کے قصبوں میں، ساحلِ سمندر کے چھوٹے چھوٹے قصبوں میں عہدِ عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ (کی نماز) ان دونوں کے حکم سے ہوا کرتی تھی مزید برآں ان قصبوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک

جماعت بھی موجود تھی۔

حضرت عمر، حضرت عثمان اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں جُمعہ دیہاتوں، بستیوں اور قصبوں میں ہوتا تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عبدالقیس کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا۔ جو ایک گاؤں تھا۔

یونسؒ بن یزید ایلی کہتے ہیں:۔

كتب رُزيق بن حكيم إلى	حضرت رُزیق بن حکیم نے
ابنِ شهاب۔ وانا معه	ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ
يومئذ بوادي القرىٰ۔	کو خط لکھا اور میں اس
هل ترىٰ ان اجمّع	وقت وادی قرٰی میں
ورُزيق عامل على ارضٍ	ان کے ساتھ تھا آپ
يعملها وفيها جماعة	مجھے بتائیے کہ میں (د،ز)

من السودان وغيرهم	قرای) میں جمعہ کروں ؟
ورُزیق یومئذ علی	اور رُزیق اس زمین پر عامل
ایلة فکتب ابن	تھے وہاں کام وغیرہ کرتے
شهاب - وانا اسمع	تھے اس بستی میں سودان
یأمرہٗ ان یجمّع۔	اور دُوسرے لوگوں کی
(فتح الباری شرح صحیح	ایک جماعت موجود تھی اور
بخاری ۲/۳۸۰)	رُزیق اس وقت ایلہ پر
	امیر بھی تھے۔ ابن شہاب
	نے ان کو خط لکھا ابن شہاب
	ان کو حکم دے رہے تھے
	اور میں سُن رہا تھا کہ وُہ
	جمعہ کرائیں۔

لہٰذا شہروں گاؤں اور بستیوں میں جمعہ پڑھنا

سنتِ نبویؐ صحابہ کرام اور تابعین کے عمل سے ثابت ہے تو پھر لدھیانوی صاحب کیسے کہتے ہیں کہ دیہاتی آبادیوں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ قارئین کرام ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لدھیانی صاحب کے ذہن پر تقلید کا پہرہ ہے جس کی وجہ سے ان کو یہ دلائل دکھائی نہیں دیتے۔

اعتراض "جمعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے فرض ہوچکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ طیبہ میں شروع ہوچکا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں جمعہ نہیں ادا کر سکے"۔

(اختلافِ اُمت ..... جز ۲ ص ۲۰۸)

جواب جی ہاں بالکل درست ہے۔ کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے فرض ہوچکا تھا اور آپؐ ہی کے حکم سے مدینۂ منورہ میں بھی شروع ہوچکا تھا مگر

کافروں کی ایذاء دہی کی وجہ سے ادا نہیں کر سکے۔

اعتراض جناب لدھیانوی صاحب رقمطراز ہیں:۔
مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں پیر کے دن (۱۲ ربیع الاوّل کو) تشریف لائے اور دس روز سے زیادہ قیام فرمایا (فلبث بضع عشرۃ لیلۃ) صحیح بخاری صفحہ ۵۵۵ ج ۱) صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں چودہ دن قیام کی تصریح ہے (۵۶۱ ج ۱) اور ایک نسخہ میں چوبیس دن کا ذکر ہے صفحہ ۶۱ ج ۱) اگر چودہ دن ہی لئے جائیں تب بھی ظاہر ہے کہ کم از کم دُو[۲] جمعہ ضرور آئے ہوں گے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جمعہ قائم نہیں فرمایا نہ اہل قباء کو جمعہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ بلکہ مدینہ طیبہ پہنچکر جمعہ کا آغاز فرمایا۔ اس سے واضح ہے کہ چھوٹی بستی میں جمعہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ

ہے کہ دو سالہ دورِ نبوی ؐ میں قباء میں جمعہ نہیں ہوا ۔

(اختلافِ امّت ..... صفحہ ۲۰۸ جز ۲)

جواب جب ہجرت سے پہلے مکّہ معظّمہ میں جمعہ فرض ہو چکا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ میں جمعہ کے قیام کا حکم صادر فرما چکے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جب آپ مدینہ منوّرہ تشریف لا رہے ہیں اور راستہ میں قباء کے مقام پر آپ نے قیام فرمایا ہو جمعہ نہ پڑھا ہو؟ یہ بات قیاس میں آتی ہے، یہ چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہے کہ جمعہ فرض کرنے کے بعد آپ نے خود نہ پڑھا ہو؟ نہیں جمعہ آپ نے ضرور پڑھا ہو گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کہتے ہیں :-

واقام رسُول اللہ صلی اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فی بنی عوف بقباء
یوم الاثنین والثلاثاء
والاربعاء والخمیس
واسّس المسجد بقباء
وصلی فیه تلك الایام،
فلما کان یوم الجمعة
خرج علی ناقته القصوی
یوم الجمعة یرید المدینة
(السیرة النبویّة للحافظ
ابی حاتم ص۱۴۱، ص۱۴۲
دلائل النبوة للبیهقی،
۲/۵۱۲ وفتح الباری شرح
صحیح بخاری ۷/۲۴۵)

وسلم نے بنو عوف
قباء مقام پر پیر،
منگل، بدھ اور
جمعرات کو قیام فرمایا۔
اور مسجد قباء کی بنیاد رکھی
اور ان ایام میں آپ مسجد
قباء میں نماز پڑھتے رہے
پھر جب جمعہ کا دن ہوا تو
آپ اپنی قصوی اونٹنی
(پر سوار ہوکر) مدینہ کا
ارادہ کرکے روانہ ہوگئے۔

خط کشیدہ الفاظ قارئین کرام قابلِ غور ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں نماز پڑھتے رہے یعنی جتنے دن آپ نے قباء کے مقام پر قیام فرمایا آپ برابر نماز پڑھتے رہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے جمعہ نہ پڑھا ہو جبکہ جمعۃ المبارک فرض ہو چکا تھا اور دوسرے جمعہ کو تو آپ روانہ ہی ہو گئے تھے۔ لہٰذا ایک جمعہ آپؐ نے مسجد قباء میں پڑھایا اور دوسرا جمعہ مسجد نبویؐ میں پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ فرض کر دیا ہے۔ اس میں شہر یا قصبہ یا بستی یا گاؤں دیہات وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

درج ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم حین رکب من	ہجرت کے موقع پر جس

بنی عمرو بن عوف
فی هجرته الی المدینة
مر علی بنی سالم وهی
قریة بین قباء و
المدینة فادرکته
الجمعة فصلّی فیهم
الجمعة وکانت اوّل
جمعة صلاها حین
قدم (رواه البیهقی
فی المعرفة عن مغازی
ابن سعد من طریق
الواقدی باسانید له
وتلخیص ابن حجر جزء ۲

وقت آپ بنی عمرو بن عوف
سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے
تو آپؐ بنو سالم جو ایک بستی
تھی قباء اور مدینہ کے درمیان
سے گزرے پھر آپؐ کو جمعہ
نے پالیا۔ پھر آپؐ نے ان
کو جمعہ پڑھایا۔ جس وقت
آپؐ وہاں پہنچے، یہ پہلا
جمعہ تھا۔

صفحہ ۵۴ -)

یہ واقعہ بھی یوسف صاحب کے ردّ کے لئے کافی ہے۔ ذرا اِس واقعہ پر غور کیجئے۔

اعتراض لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اکبر بالاجماع جمعہ کو ہوا تھا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا۔ اور نہ اہلِ مکہ کو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اس سے واضح ہے کہ ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں بلکہ اس کے لئے خاص قسم کی آبادی شرط ہے۔"

(اختلافِ امت ..... صفحہ ۲۰۵ جزء ۲)

جواب حج اکبر یوم النحر کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں :۔

عن رسول اللہ صلی اللہ   رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیه وسلم وقف النحر بین	وسلم یوم النحر کو اس حج میں
الجمرات فی الجمعة	جو آپؐ نے کیا تھا جمرات
التی حج، فقال ای یوم	کے درمیان وقوف کیا،
ھذا قالوا یوم النحر	پھر آپ نے فرمایا یہ کونسا
قال ھذا یوم الحج	دن ہے؟ صحابہ کرام رضی
الاکبر (صحیح ابوداؤد	رضی اللہ عنہم نے کہا
للالبانی ١/٣٦٧)	یوم النحر۔ آپ نے فرمایا
	یہ حج اکبر کا دن ہے۔

ایک اور روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

بعثنی ابوبکر فیمن	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ
یؤذن یوم النحر بمنی	عنہ نے ان لوگوں میں
ان لایحج بعد العام	جو قربانی کے دن یہ اعلان

مشرك ولا يطوف بالبيت عريان ويوم الحج الاكبر يوم النحر، والحج اكبر الحج (صحیح ابو داؤد ۱/۳۶۷)

کر رہے تھے کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کرےگا مجھے بھیجا۔ یہ حج اکبر کا دن تھا، یوم النحر کو کہتے اور الحج اکبر حج کو کہتے ہیں۔

یہ تو ہے سنّت کے مُطابق "حج اکبر" کی تعریف اب "بالاجماع جمعہ کو ہوا تھا" یہ الفاظ کہاں سے نقل کئے ہیں اور کس کا ان الفاظ پر اجماع ہے۔

یوسف صاحب اور ان کے مقلدین کا ہی اس پر اجماع ہو سکتا ہے ورنہ کسی صحیح حدیث میں یہ چیز نہیں ہے۔

پھر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ سفر میں جمعہ فرض ہے یا نہیں۔؟

اعتراض صحیح بخاری ص۱۲۳ ج ۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

کان النّاس ینتابون	لوگ اپنی اپنی جگہوں سے
الجمعۃ من منازلھم	اور عوالی سے جمعہ کے لئے
والعوالی	باری باری آتے تھے۔

"اہلِ قبا کے جمعہ کے لئے باری باری مدینہ طیبہ آنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اہلِ قباء پر جمعہ فرض نہیں تھا۔ ورنہ وہ باری باری نہ آیا کرتے۔ بلکہ سب کے سب آتے۔

جواب قارئینِ کرام ہم مندرجہ بالا حدیث سے ایسا مطلب کیوں لیں جو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف ہو۔" جب یوسف لدھیانوی صاحب یہ بات تسلیم کرچکے ہیں کہ جمعہ مکۃ مکرمہ میں ہجرت سے قبل فرض ہوچکا تھا"

(ص۲۰۸ جزء ۲ پر دیکھئے) اور جب جمعہ فرض ہوچکا تھا تو عوالی مدینہ کے لوگوں پر یہ الزام لگانا کہ وہ جمعہ چھوڑ دیتے تھے کس قدر نامناسب بات ہے۔ یوسف صاحب فرض کا تارک کون ہوتا ہے؟

اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ عوالی مدینہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز جمعہ پڑھنے آتے تھے یعنی کچھ لوگ عوالی مدینہ میں ہی نماز جمعہ پڑھ لیتے تھے اور کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نمازِ جمعہ پڑھنے آجاتے تھے تاکہ ان کو یہ شرف حاصل ہوجائے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہمراہ نمازِ جمعہ پڑھی ہے۔

اعتراض دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عوالی میں جمعہ نہیں ہوتا ورنہ باقی حضرات وہاں جمعہ پڑھا کرتے۔

جواب یہ یوسف صاحب کا غلط استدلال ہے۔

اعتراض یوسف صاحب رقمطراز ہیں :۔
نسائی ص۲۳۵ ج ۱، ابوداؤد ص۱۵۳، ج ۱، دارمی ص۳۱۶ ج ۱ (طبع جدید) میں زید بن ارقمؓ سے ابوداؤد ص۱۵۳ ج ۱، وغیرہ میں ابوہریرہؓ سے ابن ماجہ ص۹۴ اور مجمع الزوائد ص۱۹۵ ج ۲ میں ابن عمر سے اور مشکل الآثار طحاوی ص۵۶ ج ۲ میں ذکوان سے (رضی اللہ عنہم) روایت ہے۔ سب کا مشترک مضمون یہ ہے کہ ایک بار جمعہ کو عید ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے

بعد فرمایا کہ :-

"ہم تو جمعہ پڑھیں گے - جو چاہے ہمارے ساتھ جمعہ پڑھے اور جو چاہے واپس اپنے گھر لوٹ جائے" (اختلافِ امت و صراطِ مستقیم ص۲۰۹ جزء ۲)

جواب ایاس بن ابی رملہ کہتے ہیں :- میں معاویہؓ کے ہمراہ تھا اور معاویہؓ یہ حضرت زید بن ارقم سے معلوم کر رہے تھے کیا آپ عیدین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں ؟ جبکہ دو عیدیں جمع ہو گئیں ہوں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا۔ جی ہاں - حضرت معاویہ نے کہا آپ کس طرح کرتے تھے؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا :-

صلی العید ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز پڑھائی

ان یصلّی فلیصلّ
(رواہ ابوداؤد ۱/۲۸۱، ودارمی ۱/۳۱۷ وابن ماجہ ۱/۴۱۵، ورواہ النسائی جزء۳ ص۱۹۴ وسندہ حسن صحیح)

پھر آپ نے جمعہ کے لئے رخصت دے دی۔ آپ نے فرمایا: جو شخص چاہے کہ وہ (ہمارے ساتھ جمعہ کی) نماز پڑھے تو وہ ہمارے ساتھ نماز پڑھ لے۔

اس حدیث سے عام رخصت مل رہی ہے وہ چاہے عوالی مدینہ کے لوگ ہوں یا وہ دوسری جگہوں کے لوگ ہوں۔ اس حدیث سے صرف عوالی مدینہ کے لوگ مراد لینا حدیث کی منشا کے خلاف ہے" مَنْ شَاءَ اَنْ یُّصَلِّیَ فَلْیُصَلِّ" کے الفاظ عام لوگوں کو رخصت دے رہے ہیں۔ اس حدیث سے عوالی مدینہ کے لوگوں کی قید لگانا

اپنے مذہب کی بیجا حمایت کرنا ہے۔

البتہ حضرت ذکوان والی حدیث سے عوالی مدینہ کے لوگوں کو رُخصت ملتی ہے۔ حضرت ذکوان کہتے ہیں:۔

اجتمع عیدان علی عهد النبی صلی الله علیه وَسَلّم فقال انکم قد اصبتم خیرًا وَّ ذِکرًا انّا مجمعون فمن شاء ان یجمع فلیجمع ومن شاء ان یرجع فلیرجع (رواه البیهقی موصولاً عن ابی هریرة ومصنف عبدالرزاق ۳/۳۰۴ ومشکل الآثار ۲/۵۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دو عیدیں جمع ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: تم خیر اور ذکر کو پہنچ گئے۔ ہم تو جمعہ پڑھیں گے۔ پھر جو شخص چاہے کہ وہ جمعہ پڑھے تو اس کو چاہیئے وہ جمعہ پڑھ لے اور جو شخص چاہے کہ وہ لوٹ جائے تو وہ لوٹ جائے۔

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھنے کے بعد اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی نماز پڑھنے کی رخصت دے دی۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث سے عام اجازت مِل رہی ہے اور حضرت ذکوان کی حدیث سے عوالی مدینہ کے لوگوں کو اجازت مل رہی ہے۔

لیکن اجازت اس شکل میں مِل رہی ہے جبکہ جمعہ عید کے دن واقع ہو جائے ورنہ نہیں یعنی اگر جمعہ عید کے دن واقع نہ ہو تو پھر یہ رخصت موقوف ہو جائے گی۔

یوسف لدھیانوی صاحب کا ابن جریج کے قول سے عام حالت میں ترکِ جمعہ کا استدلال کرنا مضحکہ خیز

ہے۔ شائد اسی وجہ سے انہوں نے ابن جریج کا پورا قول نقل نہیں کیا۔ ملاحظہ فرمائیے :۔

ابن جریج کہتے ہیں مجھے اہل مدینہ میں سے کسی نے خبر دی۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجتمع فی زمانہ یوم جمعۃٍ ویوم فطر او یوم جمعۃٍ و أضحی فصلّی بالناس العید الاوّل ثم خطب فأذّن للانصار فی الرجوع إلی العوالی وترك الجمعۃ فلم یزل الامر علی ذلك بعد	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کا دن اور فطر کا دن یا جمعہ کا دن اور اضحیٰ جمع ہو گئے۔ آپ نے لوگوں کو پہلی نماز پڑھائی یعنی عید کی نماز پڑھائی۔ پھر خطاب فرمایا اور انصار کو عوالی مدینہ میں لوٹ جانے کی اجازت دیدی۔

(مصنف عبدالرزاق ۳/۳۰۴) اور جمعہ چھوڑنے کی (بھی)
(اختلاف امت صنا۲۱) اجازت دے دی۔ پھر
یہ معاملہ اسی حالت پر رہا۔

قارئین کرام آپ خود ملاحظہ فرمالیجئے کہ یوسف صاحب کے استدلال کس قسم کے ہوتے ہیں کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ عالم دین ہیں۔ اس قسم کے استدلال کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور بے بسی کا عالم یہ ہے کہ مقلد ہو کر غیر مقلدین کے اقوال سے بھی سہارا لے رہے ہیں یعنی قرطبی اور ابن حجر کے قول سے۔

پھر یوسف صاحب نے سلف صالحین کا عمل پیش کیا ہے مگر وہ بھی عید اور جمعہ ہونے کی شکل میں ہے۔ لہٰذا کالعدم ہے۔

پھر یوسف لدھیانوی صاحب نے حضرت علیؓ

کے قول سے استدلال لیا ہے کہ لا جمعة .....
(اختلاف اُمّت ۔ ص۱۲۱) یعنی جمعہ نہیں ہوتا مگر بڑے
شہر میں ۔

قارئینِ کرام اسلام میں کسی کا قول و فعل حجّت
نہیں ہوتا۔ ورنہ درجِ ذیل اقوال ملاحظہ فرمائیے جو ہمارے
مسئلہ کو تقویت دے گا۔

افلح حضرت ابو ایوبؓ کے غلام کہتے ہیں :۔

کان ابن سلام یأتینا	ابن سلام جمُعہ کے روز
یوم الجمعة فیعلّق	ہمارے پاس آتے تھے
معه أداة من ماءٍ و	اور ان کے پاس پانی کا
یجمع من العوالی ـــ	ایک برتن ہوتا تھا اور وہ
(رواہ ابن ابی شیبۃ وسندہ	عوالی (مدینہ) میں جمعہ
صحیح ۲/۱۲)	کراتے تھے ۔

اس موقوف حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ عوالی مدینہ میں جمعہ کراتے اور پڑھاتے تھے۔ اِس دلیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپؐ کی معیّت میں جمعہ پڑھ لیا کرتے تھے وہ تو جمعہ پڑھ ہی لیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ عوالی مدینہ میں رہ جاتے تھے وہ عوالی مدینہ میں جمعہ پڑھ لیا کرتے تھے۔

ابنِ عون کہتے ہیں:۔

كان محمد يسأل عن الرجل	(جب) محمد بن سیرین سے
يجمع من هذا المزالف	اس شخص کے بارے میں
فيقول قد كانت الانصار	سوال ہوتا تھا کہ ان گاؤں
يجمعون من المزالف	میں جمعہ پڑھ لیتا ہے تو محمد
حول المدينة (رواه ابن	کہا کرتے تھے کہ انصار مدینہ

ابی شیبۃ ۲/۱۰۱ وسندہ صحیح)

منوّرہ کے ارد گرد گاؤں میں جمعہ کرتے تھے۔

جعفر بن برقان کہتے ہیں:-

كتب عمر بن عبد العزيز الى عدى بن عدى ايما اهل قرية يسوا باهل عمود ينتقلون فامّر عليهم اميرًا يجمع بهم (رواہ ابن ابی شیبۃ ۲/۱۰۱) (تلخیص ابن حجر جزء ۲ ص۵۶ سکت علیہ الحافظ)

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عدی بن عدی کی طرف خط لکھا: کوئی بھی اہل قریہ وہ اہل عمود نہیں ہیں کہ وہ منتقل ہو جائیں۔ پھر انہوں نے ان کو امیر مقرر کیا (دیکھو) وہ ان کو جمعہ پڑھانے لگے۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:-

بعث رسول اللہ صلی اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عليه وسلم ابی قری
عرينه، فدك وينبع و
نحوها من القرى على
مسيرة ثلاث من المدينة
ان يجمعوا وان يصلوا
العيدين (مصنف
عبد الرزاق ۳/۳۰۱) (قری
بنواحی المدينة فی طريق الشام
۱/۳۴۴ وقد جاء فی رواية
اخری اطلاق قری عرينة
علی فدك.... حاشيه
مصنف عبد الرزاق)

وسلم نے بستیوں کی طرف
بھیجا یعنی عرینہ، فدک،
ینبع اور اسی کے مطابق
جو بستیاں تین میل
کے فاصلہ پر تھیں مدینہ
سے یہ کہ وہ جمعہ کرائیں اور
عیدین کی نماز وغیرہ
پڑھائیں۔

یہ روایت مرسل صحیح ہے۔

اِمام زہری ہی کہتے ہیں :-

بعث رسول الله	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلى الله عليه وسلم	نے مصعب بن عمیر بن ہاشم
مصعب بن عمير	کو اہل مدینہ کی طرف بھیجا
بن هاشم الى اهل	تاکہ وہ ان کو قرآن شریف
المدينة ليقرئهم	وغیرہ پڑھائیں اور رسُول
القرآن فاستاذن	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
رسول الله صلى الله	انہوں نے اس بات کی اجازت
عليه وسلم ان يجمع	طلب کی کہ وہ ان کو جمعُہ
بهم فأذن له رسُول	پڑھائیں۔ رسول اللہ صلی
الله صلى الله عليه	اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت
وسلم وليس يومئذٍ	دے دی اور اس وقت

بامیر ولکنه انطلق یعلم	وہاں کوئی امیر نہ تھا لیکن
اہل المدینة (مصنف	وہ اہلِ مدینہ کو تعلیم دینے
عبدالرزاق ۳/۱۶۰)	گئے تھے۔

یہ روایت بھی مرسل صحیح ہے۔

درجِ ذیل روایت مندرجہ بالا روایت کی مزید تشریح کرتی ہے۔

مسلمہ بن عبدالملک نے امام زہری کو خط لکھا،

انی فی قریة فیها اموال	میں ایک ایسی بستی میں ہوں
کثیر واہل وناس أنا	اس میں بہت مال ہے
جمع بهم ولیست بأمیر	اور اہل ہیں اور لوگ بھی ہیں۔
فکتب إلیه ان مصعب	کیا میں ان کو جمعہ پڑھاؤں
بن عمیر استاذن رسول	جبکہ یہاں امیر نہیں ہے۔
الله صلی الله علیه وسلم	امام زہریؒ نے کہا کہ حضرت

بأن يجمع باهل المدينة فاذن له فجمع بهم وهم يومئذٍ قليل فان رايت ان تكتب الى هشام حتى يأذن لك فافعل — (مصنف عبدالرزاق ۳/۱۶۱ وسنده حسن)

مصعب بن عمیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مدینہ کو جمعہ پڑھانے کی اجازت طلب کی آپ نے ان کو اجازت دیدی۔ پھر وہ ان کو جمعہ پڑھاتے اور وہ اِس وقت قلیل تھے پھر اگر تم ہاشم کو لکھو یہاں تک کہ وہ تمہیں اجازت دے دے تو ایسا ہی کرنا۔

الغرض جمعہ ہم کہیں بھی پڑھ سکتے ہیں۔ شہر کی قید فضول اور باطل ہے۔ ہم نے (اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم) کی خاص خاص باتوں کا جواب دے دیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

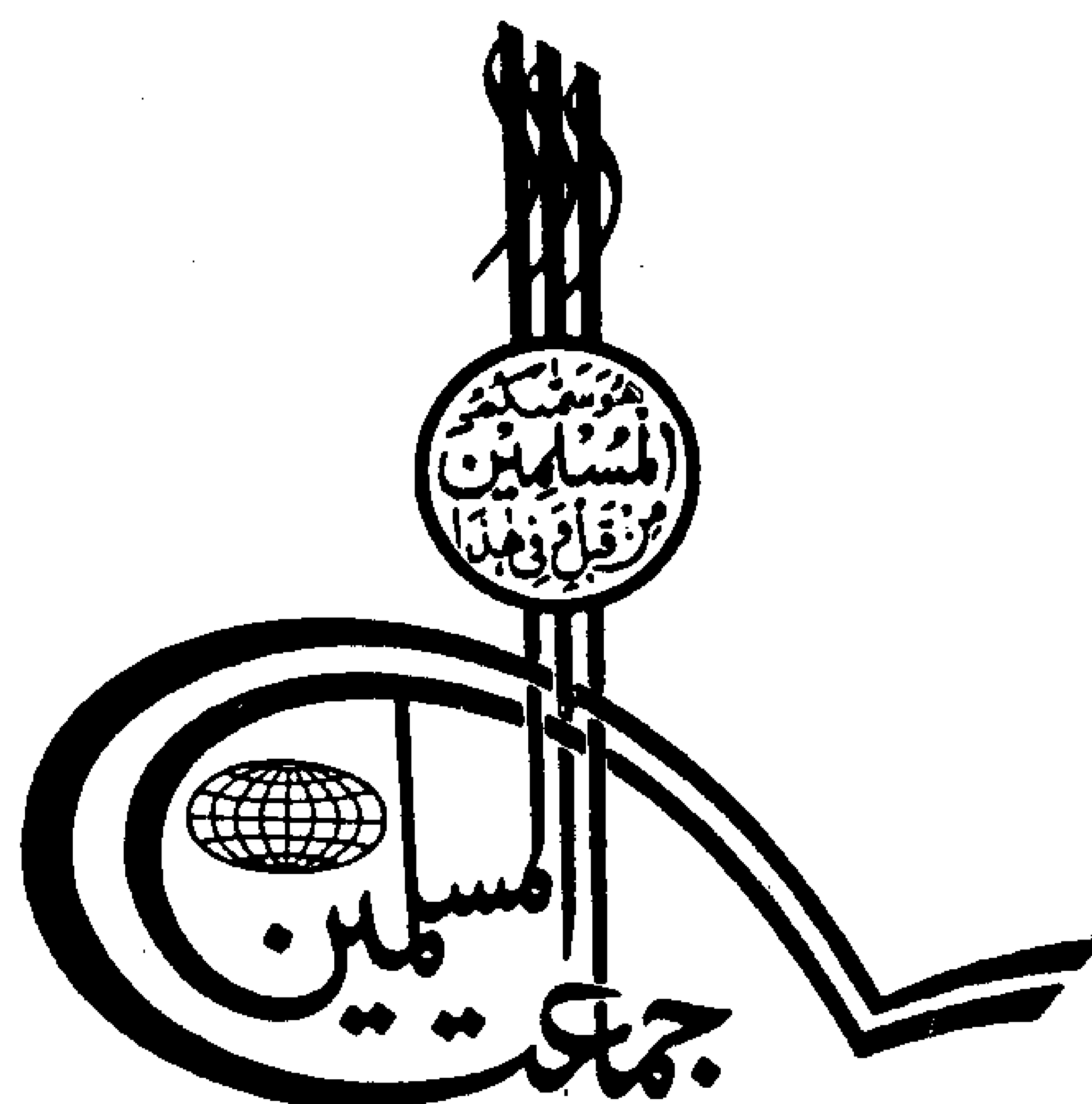
مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (آل عمران ۔ ٦٧)

ابراہیم (علیہ السّلام) نہ یہودی تھے، نہ عیسائی تھے بلکہ وہ تو ایک اللہ کے ماننے والے مسلم تھے۔ وہ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے۔

○

رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ۝ (اعراف ۔ ١٢٦)

اے ہمارے رب ہمیں صبر عطاء فرما اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم مسلم ہوں۔


المسلمين
جماعت المسلمين